پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1029

بدھ 9 رجب 1444ھ مطابق یکم فروری 2023ء

ZJ
Zaiby Jewellry
SADDAR
021-35215455, 35677786
zaiby_jewellery
Zaiby_jewellery
zaiby.jeweller@gmail.com
Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

حیا، عورت کی فطرت ہے!

اُن میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آئی تھی، موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لیے پانی پلایا تھا اس کی تم کو اُجرت دیں، جب وہ اُن کے پاس آئے اور ان سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو خادم رکھ لیجئے کیونکہ بہتر خادم جو آپ رکھیں وہ ہے جو توانا اور امانتدار ہو۔ {سورۃ القصص}

الحدیث

حیا، اسلام کی بنیادی خوبی

حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''ہر دین و مذہب کا ایک اہم عنصر اور بنیادی خوبی و عادت ہوتی ہے، چنانچہ دینِ اسلام کی بنیادی خصلت و خوبی شرم و حیا ہے۔''
{رواہ ابن ماجہ}

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

اگر نمازی سجدۂ سہو بھول جائے:

سوال: نماز میں اگر سجدۂ سہو واجب ہو جائے اور نمازی سجدۂ سہو کرنا بھی بھول جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ ادا ہو گئی یا اعادہ واجب ہے؟
(ماریہ انور۔ گوجرانوالہ)

جواب: سجدۂ سہو بھول کر اگر نمازی نے سلام پھیر دیا تو جب تک منافیٔ نماز کوئی کام نہیں کیا، یاد آنے پر سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرے۔ اگر منافیٔ نماز عمل کر لیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

رخصتی میں تاخیر کرنا:

سوال: نکاح ہو چکنے کے بعد لڑکے لڑکی کے والدین اگر رخصتی میں تاخیر کریں تو لڑکا لڑکی کیا کریں؟ جبکہ تاخیر کا سبب سامان جہیز کی تیاری یا شادی کے دیگر لوازمات ہوں۔ کیا شرعاً ایسی تاخیر جائز ہے؟ (ن۔ع۔ کراچی)

جواب: یہ والدین کی سخت غلطی ہے کہ نکاح ہو چکنے کے بعد جہیز یا نمائشی سامان کی تیاری میں جوان اولاد کی رخصتی روکے رکھیں۔ اس مقصد کے لئے تو رخصتی میں ایک دن کی تاخیر بھی جائز نہیں۔ ہاں کوئی معقول عذر ہے مثلاً لڑکے کا مکان تیار ہو رہا ہے یا کوئی ضروری سامان مہیا کرتے ہوئے قدرے تاخیر ہو گئی تو حرج نہیں۔ والدین کو یہی فکر ہونی چاہیے کہ نکاح کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو بچوں کی رخصتی عمل میں آ جائے۔ زیادہ تاخیر ان کے لیے کسی رسوا کن حادثے کا سبب بن سکتی ہے، **وللعاقل تکفیہ الاشارۃ۔**

اولاد کو بہرحال صبر و انتظار سے کام لینا چاہیے۔

طوافِ وداع چھوڑنے کا حکم:

سوال: حج کے موقع پر ہمیں کسی نے بتایا کہ جو حاجی طواف وداع ادا کیے بغیر گھر لوٹ جائے، اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ اپنے گھر بلاتے ہیں۔ ہم نے بھی یہی کیا، حج کے باقی تمام ارکان ادا کیے، طوافِ وداع ترک کر دیا اور گھر لوٹ آئے۔ کیا ہمارا حج ہو گیا؟ اور حج میں طواف وداع کی حیثیت کیا ہے؟ (ایک بہن۔ لاہور)

جواب: طوافِ وداع واجب ہے اور اس کے ترک پر دم واجب ہوتا ہے۔ اگر آفاقی شخص طوافِ وداع کیے بغیر لوٹ گیا تو جب تک وہ میقات سے نہیں نکلا، اس پر واجب ہے کہ مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور طواف وداع کرے اور اگر میقات سے نکل گیا تو اسے اختیار ہے چاہے تو عمرہ کا احرام باندھ کر لوٹ آئے۔ اول عمرہ ادا کرے، پھر طوافِ وداع کرے اور چاہے تو دم دے دے۔ آپ نے بلا عذر طواف وداع ترک کر کے غلطی کی، اس پر استغفار کیجیے اور کسی ذریعے سے دم کی قیمت مکہ مکرمہ بھجوایئے، جس سے جانور خرید کر حدودِ حرم میں ذبح کیا جائے۔

بچپن کا حج:

سوال: ہماری ہمشیرہ صاحبہ انگلینڈ میں مقیم ہیں، وہاں سے بچوں سمیت حج کو آئیں، خود بھی حج کیا اور چھوٹے بڑے تمام بچوں کو بھی حج کروایا۔ سوال یہ ہے کہ ان تمام بچوں کا حج ہو گیا یا بڑے ہو کر یہ دوبارہ حج کریں گے؟ دوبارہ حج کے لیے کچھ شرائط ہیں یا بہرصورت حج کرنا ہو گا؟ (ج۔م۔ صادق آباد)

جواب: بچوں میں جو جوان اور بالغ ہیں اگر انہوں نے نفل حج کی نیت نہ کی ہو، فرض حج کی نیت کی ہو یا صرف حج کی نیت کی ہو تو ان کا حج ادا ہو گیا۔ یہ آئندہ زندگی میں جب بھی حج کریں وہ نفلی حج ہو گا، البتہ نابالغ بچوں کا حج نفلی ہوا ہے، بلوغ کے بعد جب انہیں حج کی استطاعت ہو اور فرضیت حج کی تمام شرطیں پائی جائیں تو ان پر دوبارہ حج فرض ہو گا۔

بہترین طریقہ

انتخاب : ریما نور رضوان

ایک دوست نے بتایا کہ میں پڑھائی کے بعد لندن سے واپس آیا۔ سارا دن گھر پر پڑا رہتا تھا۔ ایک دن میری والدہ نے مجھ سے کہا، دوڑ کر جا اور ہمسایوں سے تھوڑا سا نمک مانگ کر لے آ۔ میں نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا اور کہا:

''امی جی! آپ کل ہی نمک لے کر آئی ہیں وہ کہاں گیا؟ بالفرض نہیں بھی مل رہا تو اللہ کا ہم پر بڑا احسان بڑا کرم ہے، ہم ہمسایوں سے نمک کیوں مانگیں، خرید لاتا ہوں۔''

میری ماں نے ہنس کر کہا: ''تم پہلے نمک لے کر آؤ، میں تمھیں پھر بتاؤں گی۔''

میں برا سا منہ بنا کر چلا گیا۔

ہمارا ہمسایہ بہت غریب تھا۔ اس کا دروازہ تک ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اس کی کنڈی بجائی۔ خاتون خانہ باہر آئیں تو میں نے انھیں سلام کیا اور بتایا میں آپ کے ہمسائے خواجہ صاحب کا بیٹا ہوں، لندن سے آیا ہوں، میری والدہ کو تھوڑا سا نمک چاہیے، اگر ہو سکے تو آپ دے دیجیے۔''

خاتون کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اندر گئیں، چھوٹی سی کٹوری میں تھوڑا سا نمک ڈال کر لے آئیں اور مسکرا کر بولیں: ''بیٹا! امی کو میرا سلام کہنا اور بولنا کہ آپ کو اگر مزید بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ منگوا لیجیے گا۔ میرے پاس آج تازہ بھنڈیاں بھی ہیں۔''

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور نمک لے کر آ گیا۔

میں والدہ سے بہت ناراض تھا۔ مجھے نمک مانگتے ہوئے بڑی شرم آئی تھی۔ میری والدہ نے مجھے دیکھ کر قہقہہ لگایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں: ''بیٹا! ہمارے یہ پڑوسی بہت غریب ہیں۔ یہ روز ہی مجھ سے کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز مانگتے ہیں۔ اُن کے بچے شروع شروع میں جب ہماری بیل بجاتے تھے تو مجھے اُن کی آنکھوں میں شرمندگی سی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے انھیں شرمندگی سے نکالنے کے لیے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ میں بھی ہر دوسرے دن ان سے کوئی نہ کوئی چیز مانگتی رہتی ہوں۔ کبھی نمک مانگ لیتی ہوں، کبھی مرچ کے لیے کسی کو بھجوا دیتی ہوں تو کبھی دوپٹہ، چادر یا بالٹی مانگ لیتی ہوں۔ میرے مانگنے کی وجہ سے ہمارے ہمسائے مطمئن رہتے ہیں اور پھر انھیں جو بھی چیز چاہیے ہوتی ہے، یہ ہم سے بے دھڑک لے لیتے ہیں۔''

یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اپنی ماں کا ہاتھ تھاما اور دیر تک چومتا رہا۔ میری ماں نے اس کے بعد مجھے زندگی کا شان دار ترین سبق دیا۔ انھوں نے فرمایا:

''بیٹا! اپنے غریب ہمسایوں، رشتے داروں اور دوستوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگتے رہا کرو۔ اس سے اُن کی انا بھی قائم رہتی ہے اور ہماری مدد سے مجروح نہیں ہوتی، یوں ہم اُن کا وہ حق جو ہم پر ان کا ہے، وہ آرام سے ادا کرتے رہتے ہیں۔''

میں نے ایک بار پھر اپنی ماں کا ہاتھ چوم لیا۔

میری والدہ نے شام کو میرے ذریعے ان ہمسائے کے گھر سالن بھی بھجوایا۔ میں گوشت کے سالن کا بھرا ہوا ڈونگا لے کر گیا اور ان سے تھوڑی سی بھنڈیاں مانگ کر لے آیا۔ اس رات مجھے طویل عرصے بعد لمبی اور پر سکون نیند آئی۔

یہ کیا شان دار واقعہ اور بے مثال سبق ہے۔

☆☆☆

لب پر درود

حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

لب پر درود، دل میں خیالِ رسول ہے
اب میں ہوں اور کیفِ وصالِ رسول ہے

دائم بہار گلشن آلِ رسول ہے
سینچا گیا لہو سے نہالِ رسول ہے

حسنِ حسنؓ کو دیکھ، حسینؓ حسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسول ہے

بوبکر ہوں، عمر ہوں، وہ عثمان ہوں یا علی
چاروں سے آشکار کمالِ رسول ہے

اسلام نے غلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مومنین، بلالِ رسول ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رسل میرا تخت ہے
اور سر کا تاج خاکِ نعالِ رسول ہے

جامِ جم اس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جام سِفالِ رسول ہے

(مرسلہ: قاری مسعود الرحمن غزلانی جتوئی)

مدیرِ اعلیٰ : مفتی فیصل احمد | مدیر : انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیرِ مسئول : محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 1200 روپے، بیرونِ ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے

ام محمد سلمان

یہ کمرہ تھا یا کوئی کال کوٹھڑی۔ بوسیدہ سی چھت، بدرنگ دیواریں جن کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ رہا تھا۔ ایک طرف زمین پر بستر بچھا تھا، دوسری طرف کونے میں ایک چولھا اور تھوڑا سا کھانا پکانے کا سامان رکھا تھا۔ تیسرے کونے میں ایک چھوٹا سا غسل خانہ تھا جس پر ٹین کا ایک دروازہ لگا ہوا تھا۔

وہ ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھی خاکی لفافے بنانے میں مصروف تھی۔

میں نے سلام کیا تو ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔

وہ اپنے حلیے سے برسوں کی مریض لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے، چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی، جسم لاغر ہو چکا تھا۔ آواز کا طنطنہ کہیں کھو چکا تھا۔ اب تو بجھی بجھی سی آگ تھی جسے شاید شعلہ بننے کی حسرت بھی نہیں رہی تھی۔

میں یہاں زبیدہ بھابی کے ساتھ آئی تھی۔ فرح اُن کی سگی چچازاد بہن تھی۔

ہم دونوں وہیں اُس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔

''کیسی ہو فرح؟'' میں نے دھیمے سے پوچھا۔

''بس ٹھیک ہی ہوں، مجھے کیا ہونا ہے؟'' لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔

''گھر میں اور کوئی نہیں رہتا تمھارے ساتھ؟ میرا مطلب ہے تمھارا شوہر یہاں نہیں رہتا؟''

''نہیں! وہ اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔'' اس نے سرد سے لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن آخر کیوں؟ جب شادی کی ہے تو تمھیں ساتھ کیوں نہیں رکھتا؟''

''اُس کی پہلی بیوی اور ماں ناراض ہوتی ہیں، اس لیے مجھے یہ کمرہ کرائے پر لے کر دے رکھا ہے۔ اس کا کرایہ وہ خود ہی ادا کرتا ہے، کبھی کبھی ملنے آ جاتا ہے مجھ سے۔''

''اور گھر کے باقی اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں؟''

''یہ کام کرتی ہوں ناں!'' اس نے لفافوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''بس روکھی سوکھی مل ہی جاتی ہے، اور میرے کون سے اتنے خرچے ہیں بھلا۔ صبح ناشتے کے لیے سامنے ہوٹل سے ایک کپ چائے اور دو پاپے لے لیتی ہوں، پھر شام کو کبھی دل چاہے تو کچھ پکا لیتی ہوں ورنہ ایک روٹی سالن ہوٹل سے لے کر ہی کھا لیتی ہوں۔ اب ایک بندے کے لیے کوئی کیا پکائے۔ خرچ بھی زیادہ ہو جاتا ہے پکانے میں۔''

وہ اداسی سے کہتی ہوئی چپ ہو گئی۔

''یہ کیسی زندگی ہے خدایا!'' مجھے اس کی حالت دیکھ کر بے تحاشا رونا آ رہا تھا۔

ہمارے اردگرد کئی کہانیاں بکھری پڑی ہیں، بلکہ یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر شخص ہی اپنے اندر کوئی نہ کوئی کہانی لیے پھرتا ہے۔ ہر انسان اپنی آزمائش کی بھٹی میں جل رہا ہے چاہے باہر سے کتنا ہی خوش باش نظر آتا ہو۔ دل کے اندر ویرانے ہیں یا شادیانے، یہ تو دل والے ہی جانتے ہیں۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میری پیاری سی گڑیا نے اِس دنیا میں آنکھ کھولی۔ بہت سے قریبی اور دور پار کے رشتے دار اسے دیکھنے آئے تھے، انہی میں وہ بھی شامل تھی۔ معلوم ہوا تھا کہ کوئی دور کی سسرالی رشتے دار ہے۔ عمر غالباً اٹھائیس اُنتیس برس ہوگی۔ نین نقش تیکھے، رنگت کھلتی ہوئی گندمی، چہرے پر بلا کی کشش، باتوں میں اگرچہ شگفتگی مگر لہجے میں رعب اور کچھ کچھ غرور سا بولتا ہوا، ہاتھوں کانوں میں سونے کا بھاری زیور، منقش برقع، عمدہ اور قیمتی لباس۔ بہت ہی ہنس مکھ انداز میں باتیں کرتی رہی اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی۔

یہ میری فرح سے پہلی ملاقات تھی جو کافی متاثر کن رہی۔

فرح کی شادی پنجاب کے کسی گاؤں میں اپنے ہی رشتے داروں میں ایک اچھے کھاتے پیتے زمین دار گھرانے میں ہوئی تھی۔ لوگ بھی معقول تھے۔ اچھا گزارا ہو رہا تھا۔ دو پیاری پیاری سی بیٹیاں تھیں۔ ایک چار سال کی اور ایک گود میں غالباً سال ڈیڑھ سال کی ہوگی۔ وہ گاؤں سے کراچی اپنے میکے آئی ہوئی تھی تو مجھ سے ملنے بھی چلی آئی۔

کچھ دن بعد واپس چلی گئی۔

پھر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ سنا وہ اپنے شوہر سے جھگڑ کر بچے وہیں چھوڑ کر میکے واپس آ گئی ہے۔ لوگوں سے سننے میں یہی آیا کہ اس کا شوہر کسی دوسری عورت میں دلچسپی لے رہا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ فرح کو یہ معلوم ہوا تو شوہر سے خوب لڑائی کی کہ وہ اس کی موجودگی میں کیسے دوسری شادی کر سکتا ہے!

شوہر نے یقین دلایا کہ اس کے حقوق میں کوئی کمی کوتاہی نہیں ہوگی۔ وہ اسے آرام سے دوسری شادی کرنے دے۔ وہ بے چاری بھی ایک مطلقہ ہے جسے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔

مگر فرح مان کر نہ دی۔ کچھ لوگ بھی ایسے تھے، جو آ کر فرح کے کان بھرتے اور اسے شوہر کے خلاف بھڑکاتے۔ ان بھڑکانے والوں نے بھی نہ سوچا کہ میاں بیوی میں رنجش پیدا کرنے والے کے لیے کتنی سخت وعید آئی ہے۔ خیر فرح اپنا برا بھلا سوچے بغیر آئے دن شوہر سے جھگڑنے لگی اور پھر ایک دن بات اِس قدر بڑھی کہ اس نے صاف صاف مطالبہ کر دیا کہ اگر حنیف (فرح کا شوہر) دوسری شادی کرنا چاہتا ہی ہے تو اسے مجھے طلاق دینا ہوگی! میں سوکن کا وجود ہرگز برداشت نہیں کروں گی، اور یوں فرح اپنی دونوں معصوم بچیوں کو چھوڑ کر میکے آ گئی۔

میکے میں بھی سب کو بہت برا لگا کہ حنیف اچھی بھلی بیوی کے ہوتے ہوئے کیوں دوسری شادی کرنا چاہتا ہے! ہم دیکھتے ہیں وہ کیسے دوسری شادی کرے گا۔

سب کو یہ زعم تھا کہ بچیاں چھوٹی ہیں، ان بچیوں کی خاطر وہ دوڑا چلا آئے گا فرح کو منانے، لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ حنیف آیا تو ضرور بچیوں کی خاطر، لیکن دوسری شادی کے ارادے سے باز نہ آیا۔ اُس کا کہنا یہی تھا کہ میں فرح کے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، لیکن اب دوسری شادی کے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

فرح کو یہ سب قبول نہیں تھا، اس نے حنیف کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر

دیا۔اسے ابھی بھی یہ گمان تھا کہ بچیوں کی خاطر وہ اپنے ارادے سے باز آ جائے گا مگر ایسا نہ ہوا۔فرح کے شوہر نے واپس جا کر اسی مطلقہ خاتون سے شادی کر لی۔بس فرح بھی ضد میں آ گئی اور صلح کے سارے راستے بند کرتے ہوئے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔

حنیف کی دوسری بیوی نے گھر اور بچے دونوں کو سنبھال لیا تھا،سو اس نے بڑے آرام سے فرح کو طلاق بھجوا دی۔دو تین سال تو والدین نے سہارا دیا،پھر یکے بعد دیگرے دونوں ہی اِس دنیا سے چلے گئے۔بھائی اس کی دوسری شادی کی کوششوں میں لگ گئے،اور آخرکار ایک شادی شدہ تین بچوں کے باپ سے اس کی شادی ہو گئی۔

قدرت نے کیا دن دکھایا تھا اسے کہ وہ جو خود پر سوکن نہیں آنے دینا چاہتی تھی،مگر ایک دن اسے خود کسی اور پر سوکن بن کر جانا پڑا تھا۔جو فیصلے اپنے انجام سے بے پروا ہو کرانا کی ضد میں کیے جائیں،ان کا آخرکار یہی انجام ہوتا ہے۔

فرح کئی سال اس گھر میں شوہر کی دوسری بیوی بن کر رہی۔سوتیلے بچوں اور سوکن نے ہمیشہ ناک میں دم کیے رکھا۔ساس بھی پہلی بیوی کی طرف داری کرتی۔میاں اچھا تھا کہ فرح کا خیال کرتے ہوئے اسے طلاق نہ دی اور اس کے میکے کے قریب ہی ایک کمرہ کرائے پر لے دیا۔وہ بھی ایک سفید پوش آدمی تھا،اُس سے زیادہ کی اس کی حیثیت نہیں تھی۔یہی غنیمت تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں اور ماں کے شدید اصرار کے باوجود فرح کو طلاق نہیں دے رہا تھا،اور اب وہ بھی اس کے نکاح میں رہنا چاہتی تھی۔اس بھری دنیا میں اکیلے رہنے سے تو بہتر تھا کہ کسی مرد کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑا رہے۔

اس واقعے کو پندرہ سال گزر گئے اور پھر ایک دن سنا کہ فرح کی بڑی بیٹی ماں سے ملنے آئی ہے۔کراچی میں کچھ رشتے داروں کی شادی تھی اور اسی شادی میں شرکت کے بہانے وہ باپ سے اجازت لے کر اپنی خالہ کے ساتھ آئی تھی۔

شادی کی تقریب میں فرح بھی خوش خوش شریک تھی کہ آج برسوں بعد اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوگا۔اور پھر وہ گھڑی آ ہی گئی۔دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے گلے مل کر خوب روئیں،مگر بات رونے پر ختم نہیں ہوئی تھی،ابھی تو فرح کی قسمت کے کچھ اور جھٹکے لگنا باقی تھے۔

شادی کے ہنگامے ختم ہو جانے کے بعد ایک دن اسی بوسیدہ کمرے میں اقصیٰ اپنی ماں کے سامنے کچھ سوال لیے کھڑی تھی۔

’’کیوں چھوڑ کر آئی تھیں آپ ہمیں؟ آپ کو ترس نہیں آیا تھا دو معصوم بچیوں کو ماں کی ممتا سے محروم کرتے ہوئے؟ کچھ نہیں سوچا آپ نے کہ آپ چلی جائیں گی تو انھیں کون پالے گا؟انھیں کون اپنی شفقت بھری گود میں بٹھائے گا؟ جب یہ ماں کو یاد کر کے روئیں گی،تڑپیں گی تو کون انھیں تسلیاں دے گا؟‘‘

کہتے کہتے اقصی رو پڑی۔

’’کیوں چھوڑ کر آئی تھیں آپ ہمیں؟ بتائیے!کیا یہ تھی آپ کی منزل؟ کیسے عیش تھے آپ کے!دولت میں کھیلتی تھیں،عیش و آرام میں جی رہی تھیں۔کیا تھا اگر اپنی اولاد کی خاطر ایک سوکن برداشت کر لیتیں تو۔

اپنے شوہر کو چھوڑ کر آپ نے کیا پایا امی!یہی کہ آپ خود کسی کی سوتن بن گئیں۔ آپ نے سوچا نہیں کبھی کہ جس پر آپ سوتن بن کر آئی ہیں،کیا کبھی اس نے اپنا گھر اور بچے چھوڑے آپ کی وجہ سے؟

امی!کیا اس سے زیادہ اچھی زندگی مل گئی آپ کو؟ یہ بوسیدہ دیواریں،تنگ گلیاں، یہ اجڑا روپ۔کیا یہی تھی آپ کی منزل؟ آپ نے سوچا بھی نہیں امی کہ آپ اپنے شوہر بچوں اور گھر بار کو چھوڑ کر بدلے میں کیا پا رہی ہیں!ایک ایسا شخص جو آپ کو عزت سے دو وقت کی روٹی بھی نہیں کھلا سکتا۔‘‘

’’بس کر دو اقصی!میرے زخموں کو مزید مت ادھیڑو۔میں نے پہلے ہی اپنی زندگی پچھتاوں کی آگ میں جلتے گزاری ہے۔تم کیا جانو اس درد کو۔بس اب چپ ہو جاؤ،جو ہونا تھا ہو گیا۔بس میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔‘‘فرح کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

’’کیوں چھوڑ دوں؟نہیں چھوڑوں گی میں،سارے حساب کتاب کر کے جاؤں گی۔آپ کو پتا ہے میں اتنی دور سے کیوں آئی ہوں؟میں آپ سے صرف اس ایک بات کا جواب لینے آئی ہوں امی کہ آپ نے ہمارا خیال کیوں نہ کیا؟اپنی بچیوں کو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کیوں چھوڑ دیا آپ نے؟ آپ کا کلیجہ نہیں کانپا،دل نہیں ڈوبا۔مائیں تو اولاد کی خاطر جہنم جیسی سسرال میں بھی گزارا کر لیتی ہیں،لیکن آپ نے محض اپنی انا کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔‘‘اقصی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

’’پتا ہے ماں مجھے ترس آ رہا ہے آپ کو اس حال میں دیکھ کے،میرا دل درد سے پھٹا جا رہا ہے۔‘‘ فرح بھی اسے سینے سے بھینچے رو رہی تھی،مگر اب کیا ہو سکتا تھا وقت پلٹ کر نہیں آ سکتا تھا۔

وہ ماں کے سینے سے لگی سسک رہی تھی۔

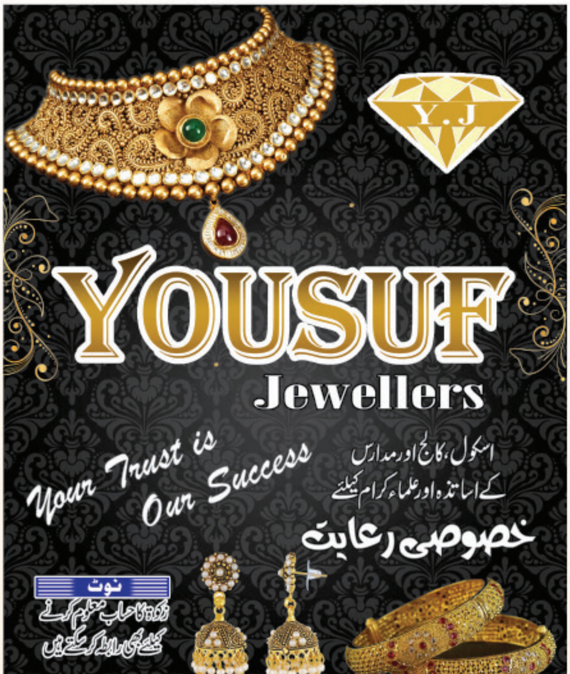

''پتا ہے امی! چار مہینے بعد میری شادی ہے۔ آپ تو میری شادی میں بھی شریک نہیں ہو سکیں گی نا۔ مجھے اپنی دعاؤں میں رخصت بھی نہیں کر سکیں گی۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں شادی کے بعد جب میں اپنے باپ کے گھر آیا کروں گی تو کیا سوتیلی ماں میرا ایسا والہانہ استقبال کرے گی، جیسے ایک سگی ماں اپنی بیٹی کا کیا کرتی ہے! آپ کو پتا ہے امی! میری نگاہیں کیسے آپ کو چاروں طرف ڈھونڈیں گی، جیسے بچپن میں آپ کے چلے جانے کے بعد بار بار دروازے پر جاتی تھیں کہ شاید آپ آ جائیں۔ آپ کو کیا پتا، ہم دونوں بہنوں نے کیسے ترس ترس کے گزارا ہے اپنا بچپن۔''

اگرچہ چھوٹی امی ہمارا خیال کرتی تھیں مگر ان کی گود میں محبت اور قرب کی وہ گرمی نہ تھی۔ ان کے ہاتھوں کی تھپکی میں وہ سکون نہ تھا جو ہمیں آپ کے ہاتھوں ملتا۔ آپ کا دھندلا سا نقش ہمیشہ میری پلکوں پر سجا رہا۔ کیا تھا اگر ذرا سا سمجھوتا کر لیتیں ماں! ابا اتنے بھی برے نہ تھے آپ کے لیے۔''

اقصیٰ روتے روتے تھک چکی تھی۔ آخر ماں کی گود میں ہی سر رکھے سوگئی۔

اور فرح اپنی زندگی کے سود و زیاں کا حساب کرتی رہی۔ کیا تھا اگر وہ شوہر کی دوسری شادی کو خوشی سے قبول کر لیتی۔ وہ اسے الگ گھر میں رکھتا اور میں اپنے بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہتی۔ آج یوں در بدر نہ ہوئی ہوتی۔ اے کاش! میں وقت پر صحیح فیصلہ کر لیتی۔ اپنے بھلے برے کا سوچ لیتی۔ انا کی ضد میں آ کر جذبات کی گرمی میں جھلس کر وہ سب کچھ نہ کرتی جو میں کر گئی۔ میں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے نشیمن کو آگ لگا دی۔ کاش! میں ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ لیتی۔ جب میں جان ہی گئی تھی کہ حنیف دوسری شادی کے ارادے سے باز نہیں آئے گا تو کاش میں ہی اُس وقت تھوڑا سا جھک کر اپنا گھر بچا لیتی، اے کاش!

آخر مجھے کس بات کا زعم تھا کہ طلاق کے بعد مجھے کوئی شہزادہ بیاہنے آئے گا۔ کوئی جوان خوب صورت کنوارا رشتہ ملے گا۔ ذرا بھی دور اندیشی سے سوچتی تو مستقبل کا سارا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی۔ حنیف کی دوسری شادی کو قبول کر کے اسی گھر میں اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ رہنے میں میری بھلائی تھی یا پھر طلاق کے بعد ایسی زندگی جینے میں۔ کاش میں نے ہوش میں رہ کر عقل مندی سے کوئی فیصلہ کیا ہوتا۔ کاش کوئی مجھے صحیح راہ دکھا دیتا۔ کاش کوئی مجھے سمجھا دیتا کہ ازدواجی زندگی میں جب کوئی ایسا موڑ آئے کہ علیحدگی ہی اس کا حل نظر آئے تو اس کے پہلے اور بعد کے حالات پر ضرور غور کر لینا چاہیے۔ میں بھی اگر اس وقت غور کر لیتی تو شاید حالات آج مختلف ہوتے۔

وہ اقصیٰ کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے سوچ رہی تھی۔

یہ آخری رات وہ اپنی ماں کے پاس گزارنے آئی تھی۔ صبح اس نے چلے جانا تھا۔

☆......☆

ریلوے اسٹیشن پر بہت رونق تھی۔ کچھ لوگ مسافر تھے تو کچھ اپنے پیاروں کو الوداع کہنے آئے ہوئے تھے۔ فرح بھی انہی میں شامل تھی۔

اقصیٰ ماں سے مل کر گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ شام کے دھندلے سائے پھیل رہے تھے۔

گاڑی نے وسل دی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

فرح چلتی گاڑی کو اپنے سے دور بہت دور ہوتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''ریلیکس میرے بچے! وہ اس کے ماں باپ ہیں۔ یہ وقت جذباتیت کا نہیں ہے۔ مصلحت کو سمجھو۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم کسی غیر احمدی کا نماز جنازہ پڑھیں، اُس سے اظہارِ تعزیت کریں، اُس کی مغفرت کی دعا کریں مگر نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے اُس سے تعزیت کی ہے۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اِس وقت عمر سے نرمی کا مظاہرہ کریں، خصوصاً تم، یہ نہ ہو کہ والد کی موت اسے واپسی کا راستہ دکھا دے، اور جہاں تک بچوں کی بات ہے تو ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہے کہ بچے اُن سے دور رہیں، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔''

جہانگیر اسے سمجھا رہے تھے۔

''کم از کم مجھے تم سے ایسی جذباتیت کی امید نہیں تھی۔ جس اچھے طریقے سے تم عمر جیسے کوالیفائیڈ انسان کو راہِ راست پر لائی ہو، ایک سچا مسلمان بنایا ہے، مجھے اِس پر بہت فخر ہے۔ جماعت میں میرا نام روشن کرنے والی تم ہی تو ہو، لیکن تم اب جس قسم کی حماقت کرنے لگی ہو، اُس کی توقع مجھے تم سے بالکل نہیں تھی۔''

''ارے نہیں، ہماری بیٹی بڑی سمجھدار ہے، آپ بے فکر رہیں۔ عمر کے رویے کی وجہ سے ابھی یہ تھوڑی ڈسٹرب ہے، اللہ نے چاہا تو جلد ہی سنبھل جائے گی، پھر آپ دیکھیے گا کہ عمر اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔''

نفیسہ بیگم نے بیٹی کی ہمت بڑھائی۔

''عمر دل کا برا نہیں ہے، ابھی اپ سیٹ ہے، تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمھاری خاطر سب چھوڑا ہے اس نے۔ تم میں اور بچوں میں جان ہے اس کی۔''

نفیسہ بیگم نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

ثانیہ سُتے چہرے سے سب سنتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ واقعی لکی ہے؟

☆......☆

''بہت افسوس ہوا عمر! آپ کے ابو کی وفات کا سن کر، جماعت آپ کے غم میں برابر کی شریک ہے۔''

ایک خشخشی داڑھی والے مربی نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''بے شک جماعتِ احمدیہ کے غیر احمدیوں کے ساتھ علمی اختلافات ہیں مگر انسانیت سے بڑھ کر تو نہیں۔ ایک انسان ہونے کے ناتے ہمیں بے حد افسوس ہے آپ کے والد صاحب کی موت کا، آپ کو اور آپ کی فیملی کو کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو پلیز ضرور کہیے گا، ہم ہر طرح سے حاضر ہیں۔''

دوسرے مربی نے بھی شائستگی سے کہا۔

عمر بھی جواباً رسمی بات چیت کرتا رہا۔

عمر کے سسر جہانگیر کا شمار جماعت احمدیہ کے اعلیٰ عہدے داروں میں ہوتا تھا۔ جہانگیر صاحب کا داماد ہونے، اپنے والدین اور معاشرے کے شدید دباؤ کے باوجود ''کفر و بدعت'' سے قطع تعلق کیے رہنے، سالانہ چندہ دینے اور دیگر رضاکارانہ جماعتی خدمات میں پیش پیش ہونے کی وجہ سے عمر کا شمار جماعت کی گڈ بک میں ہوتا تھا۔

4

شہد دل کی رات

عائشہ خان

جہانگیر صاحب کی ایما پر ہی جماعت کے معززین آج اس سے اس کے والد کی تعزیت کرنے گھر آئے تھے۔

مربیوں کے جانے کے بعد اُس کے ساس سسر اس کی دلجوئی کی خاطر مزید کچھ دیر بیٹھے اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔

جہانگیر صاحب نے اسے اپنے ہر قسم کے اخلاقی تعاون کا بھرپور یقین دلایا۔ یہاں تک کہ اُس کے چھوٹے بھائی عثمان اور اس کی والدہ کو فنانشلی سپورٹ کرنے کی آفر بھی دی۔

عمر بھی اب کافی سکون محسوس کر رہا تھا۔ والد کی اچانک موت اور اپنوں کے رویے کے بعد وہ جس عجیب سے احساسِ جرم کا شکار ہو رہا تھا، جماعت اور سسرال والوں کے اچھے اخلاق اور رویے نے کافی حد تک اس کے اس احساس کو کم کر دیا تھا۔

تانیہ اس کے بابا کی موت کے بعد سے مسلسل اس کے آگے پیچھے پھرتی اس کی دلجوئی کرتی رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا تھا کہ اسے تانیہ جیسی خیال کرنے والی بیوی، اتنے پیارے بچے اور اتنے قدردان سسرال والے ملے تھے، جو ہر مشکل موقع پر اس کا جذباتی سہارا بنے تھے اور اس کا ساتھ نبھایا تھا۔

نفیسہ بیگم نے تانیہ اور بچوں کے ساتھ عمر کو ایک بار خوش دیکھ کر کلمۂ شکر ادا کیا۔

جہانگیر صاحب بھی انھیں دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔

اور کاتب تقدیر......ان سب پر مسکرا رہا تھا۔

☆......☆

''السلام علیکم امی!'' عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم......کیسے ہو عمر۔''

رابعہ بیگم نے دھیمی آواز میں کہا اور پوتا پوتی کا ماتھا چومتے ہوئے دل ہی دل میں ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

وہ ماں تھیں مگر شریعت کے حکم کا پورا خیال کرتی تھیں کہ بیٹے کے سلام کا جواب بھی پورا نہیں دینا۔ جہاں تک بائیکاٹ کی بات تھی، وہ علماء کرام سے پوچھ کر حکمت کے تحت اس سے اجتناب کی پالیسی پر تھیں۔

''کھانا تیار ہے، کھا کر جانا۔''

رابعہ بیگم نے عمر اور بچوں کی پسندیدہ ڈشز تیار کی ہوئی تھیں۔

ماں کے ہاتھ کا یخنی پلاؤ عمر کو ہمیشہ سے بے حد پسند تھا۔

نعیم صاحب کی وفات کے بعد عمر اکثر ماں کے پاس چکر لگاتا رہتا تھا۔ بچوں کو بھی کبھی کبھار ساتھ لے آتا۔ بچے بھی دادی اور اس گھر سے اب انسیت محسوس کرنے لگے تھے، خصوصاً عثمان سے ان کا دل بہت لگ گیا تھا، جو بچوں کے آنے پر بچہ بن جاتا تھا۔

آئزہ نعیم صاحب کی زندگی میں ہی اپنے گھر بیاہی جا چکی تھی۔ رابعہ بیگم کی تمام تر کفالت اور دیکھ بھال وغیرہ اب عثمان کے ذمے تھی۔

عمر نے کئی بار عثمان کو اور اپنی والدہ کو فنانشلی سپورٹ کرنے کی آفر دی تھی، مگر آخر ایک دن رابعہ بیگم نے سخت لہجے میں اسے باور کروا ہی دیا تھا کہ ملنا ملانا اپنی جگہ مگر وہ اس سے خرچ لیں گی، یہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں۔ اُن کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔''

ان کے لہجے کی قطعیت دیکھ کر عمر خاموش ہو گیا تھا۔

اس دن کے بعد سے پھر کبھی اس نے یہ بات نہیں کی تھی۔

زندگی اسی طرح رواں دواں تھی۔ عمر دنیاوی ترقی کے مراحل تیزی سے طے کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر وہ نعمت اسے میسر تھی جس کی تمنا ایک انسان کر سکتا ہے، مگر نجانے کیوں کبھی کبھی اس کا بستر کانٹوں کا بستر بن جایا کرتا تھا۔

رات کے اِس پہر آج بھی اس کی آنکھ بلا وجہ کھل گئی تھی، اور ایسا اب اکثر ہوتا تھا۔

(جاری ہے)

1987ء سے خدمت میں مصروف

پُھلبھری، برص

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جِلدی بیماریوں کا مؤثر اور بے ضرر علاج

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

STEROIDS FREE
MOST PROGRESSIVE
TREATMENT

ایوارڈ یافتہ' ممتاز معالج
اجمل زیدی کے صاحبزادے
اقدس زیدی
(ماہرِ برص)

کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

کراچی قیام	1مارچ تا 10مارچ، 1جولائی تا 10جولائی، 1نومبر تا 10نومبر فارچون سنٹر آفس نمبر 706 ساتویں منزل شارع فیصل نرسری بالمقابل K.F.C کراچی فون: 69-7012068(021) موبائل: 8566188(0300)
پشاور قیام	یکم فروری تا 6 فروری، یکم جون تا 6 جون، یکم اکتوبر تا 6 اکتوبر ہوٹل امین، جی ٹی روڈ ہشت نگری چوک پشاور شہر فون: 19-2218215(091) موبائل: 8566188(0300)
ملتان قیام	12مارچ تا 17مارچ، 12جولائی تا 17جولائی، 12نومبر تا 17نومبر ہوٹل سلور سینڈ، ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل، ملتان فون: 62-4518061(061) موبائل 8566188(0300)
لاہور قیام	11فروری تا 20فروری، 11جون تا 20جون، 11اکتوبر تا 20اکتوبر گلف سنٹر آفس نمبر 16 مزنگ چونگی میٹرو بس سٹاپ نمبر 10 فیروز پور روڈ نزد صنم آرکیڈ لاہور، 0300-8566188
اسلام آباد مستقل پتہ	25مارچ تا 25مئی، 25جولائی تا 25ستمبر، 25نومبر تا 25جنوری مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 تعلیمی چوک (سریا چوک) اسلام آباد فون: 2331725-(051) موبائل: 8566188(0300)

E-mail:syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.co.uk

لاجواب

عفت مظہر

سوال کرنا آج کے زمانے کی ضرورت اور فیشن بن گیا ہے۔اعتراض سوال پر نہیں بلکہ سوال در سوال پر ہے۔یعنی ''بال کی کھال اُتارنا'' نوے فیصد سوال بے تکے ہوتے ہیں جن پر مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑ جاتی ہے۔

کچھ لوگ تھانے دار بن کر جرح کرتے رہتے ہیں۔وہ جواب مانگتے نہیں، اگلواتے ہیں، گویا مجرم سمجھ کر تفتیش کر رہے ہیں۔سب سے زیادہ سوالات پوچھنے کا اعزاز ''بیگمات'' کو حاصل ہے جن کے سوالات بلکہ تفتیش سے شوہروں کی جان عذاب میں رہتی ہے۔گول مول جواب دینے سے بات بنتی نہیں اور بیگمات ٹلتی نہیں۔اِس لیے لاجواب ہو کر مسکرا دیتے ہیں۔کہاں گئے تھے؟ کہاں جا رہے ہیں؟ کیوں جا رہے ہیں؟ کب آئیں گے؟ اتنا تیار کیوں ہو رہے ہیں؟ دیر سے کیوں آتے ہیں؟ کون سا دوست ساتھ تھا؟ فون کیوں مصروف تھا؟ وغیرہ وغیرہ وغیرہ!

ایک سوال خواتین کے لیے بھی مگر بہت مشکل ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ بھئی کتنی بھی ہے، کیوں بتائی جائے!

ویسے پینتیس سے آگے خواتین کی عمر بڑھتی نہیں رُک جاتی ہے۔یا شاید زبردستی روک لی جاتی ہے۔

زندگی کے ہر موڑ پر انسان کو رنگا رنگ سوالات سے سابقہ پڑتا ہے کہ جواب دو تو مصیبت اور خاموش رہو تو مشکل۔بعض سوالات تو ایسے بے معنی اور بے تکے ہوتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ کرنے والے کو کچا نہیں تو بھون کر چبا ڈالو۔مثلاً آپ کا رنگ کالا کیسے ہو گیا؟ آنکھوں کے گرد حلقے کیوں پڑ گئے؟ آپ موٹی کیوں ہو رہی ہیں؟ کم عمری میں بال کیوں سفید ہو گئے؟

ان سوالات کا جواب تو شاید افلاطون کے پاس بھی نہ ہو۔

عمر زیادہ ہو جائے تو سوال ہوتا ہے، شادی کیوں نہیں ہوئی؟ اور اگر شادی ہو جائے اور کچھ عرصہ بیت جائے تو پوچھا جاتا ہے، ''خوش خبری'' کیوں نہیں آ رہی؟

ایک بچہ تھوڑا بڑا ہو جائے تو پوچھا جاتا ہے ''دوسرا ابھی تک کیوں نہیں آیا؟''

پتا نہیں لوگوں کی طبیعت میں اتنا تجسس کیوں ہوتا ہے؟ پوچھنے والوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ ایسے سوالات تو اللہ میاں سے پوچھو۔بندہ تو بے بس عاجز ہے۔

ایک نوجوان بچی کے چہرے پر اچانک ''دانے'' حملہ آور ہو گئے۔اُس نے مزاحمت بھی کی لیکن وہ پیش قدمی کرتے ہی چلے گئے۔مایوس ہو کر ناچار اُسے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ان ہنگامی حالات میں وہ دوسروں کے سامنے آنے سے کترانے لگی۔اگر اتفاقیہ سامنا ہو جاتا تو اُسے دیکھتے ہی حیرت اور پریشانی سے جھٹ سوال داغا جاتا:

''ہائے! یہ دانے کیسے نکلے؟'' اب اِس سوال کا جواب تو یہ بنتا تھا کہ بڑی مشکل اور جدوجہد کے بعد نکلے بلکہ نکالے گئے۔

کسی کے گھر جاؤ تو دروازہ کھلنے سے قبل انٹرویو بڑی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔سوال در سوال کرنے والے کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔کس سے ملنا ہے؟ کہاں سے آئی ہیں؟ کیا نام ہے؟ کیا کام ہے؟ اب سڑک پر کھڑا انسان کیسے جواب دے؟ دے تو پورا محلہ سنتا ہے اور اگر چپ رہے تو دروازہ کھلنے کا نہیں۔

ایک خاتون ولیمے کے دن اپنی بیٹی سے پوچھ رہی تھیں:

''تمھارا دولھا ماں کو کتنا خرچہ دیتا ہے؟ گھر کا خرچہ کون چلاتا ہے؟ بینک بیلنس کتنا ہے؟ تمھیں کتنا دے گا؟'' کیوں ہیں نا یہ سوال لاجواب؟

اکثر لوگ ایسے نامعقول سوال کرتے ہیں کہ انسان پہلے صبر کا گھونٹ پیتا ہے اور پھر خون کا گھونٹ نہیں بلکہ پورا گلاس پینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ایک صاحبہ دوسری خاتون سے بڑے تجسس سے پوچھ رہی تھیں:

''آپ کی بیٹی تو ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہے۔آپ پر تو نہیں گئی، کس پر گئی ہے؟'' (لو کر لو گل، اتنی بے عزتی!)

بیویاں بڑی آس سے اپنے شوہروں سے پوچھتی ہیں:

''بتایئے نا میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

یہ وہ واحد سوال ہے جس کا جواب کبھی نہیں ملتا۔اگر کسی خوش قسمت کو جواب ملے بھی تو نہایت مختصر ملتا ہے: ''اچھی!''

لڑکے والے جب رشتہ لے کر لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ رشتہ دیکھنے نہیں، چھاپا مارنے آئے ہیں۔ایک ایسی ہی خاتون کسی کے گھر گئیں۔ابھی بیٹھنے بھی نہ پائی تھیں کہ پہلا سوال نہیں گولا مارا: ''گھر آپ کا ہے یا کرائے کا؟''

جب جواب مل گیا کہ اپنا ہے تو بیٹھیں، ورنہ وہیں سے رخصت ہو جاتیں۔

اس کے بعد لڑکی کے ماموں، چچا، دادا، دادی کے بارے میں تحقیق و تفتیش ہوئی (وہ بھی بہت گہری) لیکن صد شکر کہ وہ سب صاحبِ کردار نکلے، اور پھر لڑکی کے بارے میں کھوج، کرید اور تفتیش ہوئی۔ہر ہر نکتے پر تفتیش کا دائرہ وسیع سے وسیع کر دیا گیا۔اُس کے بعد فیصلہ چھے سات ماہ کے لیے مؤخر کر دیا گیا تا کہ مزید لڑکیوں کے انٹرویوز نہیں بلکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد حتمی فیصلہ کیا جا سکے۔

جہاں تک ''ہاتھ کیسے کٹا؟ کپڑا کیسے جلا؟ گلاس کیسے ٹوٹا؟'' جیسے سوالات کی بات ہے تو ایسے سوالات کے جواب میں لاجواب ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔اِس کا جواب ہاتھ کاٹ کر، کپڑا جلا کر اور گلاس توڑ کر بھی دیا جا سکتا ہے کہ ایسے!

جیسے شہزادہ سلیم نے انارکلی سے پوچھا تھا کہ کبوتر کیسے اُڑا؟

تو انارکلی نے دوسرا کبوتر اُڑا کر دکھا دیا تھا کہ ایسے......!

انسانوں سے تو ہم بے مقصد اور بے تکے سوال پوچھتے ہی ہیں، لیکن ہماری دلیری اور جسارت دیکھیے کہ سوال کرنے سے ہم نے اللہ میاں کو بھی نہیں چھوڑا، کہتے ہیں:

آخر میرا کیا گناہ ہے؟ مجھے کس جرم کی سزا ملی؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ میری کیوں نہیں سنتا؟ میری آزمائش ختم کیوں نہیں ہوتی؟

یاد رہے! اللہ لاجواب نہیں، جواب ملے گا ضرور ملے گا......ثبوت اور دلیل کے ساتھ......مگر انتظار شرط ہے......!☆☆☆

حقِ بندگی

میر تقی میرؔ

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اِس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے
دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی عادت کہ اے بت! تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
گئی عمر در بندِ فکرِ غزل
سو اس فن کو ایسا برا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

(مرسلہ: شبانہ نعمان۔ اسلام آباد)

رنگ محل

آج ہمارے تخیلاتی پرواز کی سواری بادِ بہاری رنگ محل میں جا اتری۔ باغ باغیچے، پھول پھلواریاں، چشمے جھرنے، شفاف موتی بکھیرتے فوارے اور بہت کچھ نظروں میں سموتے کئی بام و در سے ہوتے ہم وہاں جا پہنچے، جہاں ہماری ملاقات رنگوں سے طے تھی۔

یہ حصہ سفید رنگ کے لیے مخصوص تھا۔

عِشرت جہاں

دودھیا چاندنی جیسی ٹھنڈی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ بے داغ اجالوں سے نگاہیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ ذہن کی خالی سلیٹ پر کوئی جیسے کچھ لکھ رہا ہو۔ امن و آشتی کا رنگ، پاکیزگی کی علامت، نیک نیتی اور خلوص کا مظہر۔ دوسروں کو سمجھنے میں مددگار رنگ۔

''باکمال!'' ہمارے منہ سے نکلا۔

اب ہم جس حصے میں تھے وہ سیاہ رنگ کا تھا۔ یکدم ہماری طبیعت ہی بدل گئی۔ سنجیدگی اور نامعلوم سی اداسی نے گھیراؤ کرلیا۔ سیاہ رنگ سوگ کا علامتی رنگ جسے سنجیدہ مزاج لوگ پسند کرتے ہیں، لیکن ایسا فراخ دل رنگ جو سب پر چھا جاتا ہے اور سب کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لیے اعتماد کا رنگ بھی ہے۔

اب ہم جہاں پہنچے وہ سرخ رنگ کی راجدھانی تھی۔ شوخ مزاج، زندہ دلی کی علامت۔ تحریک دینے والا رنگ، خون کی سی گرمی اور روانی لیے پر اعتماد، زندگی کی مانند رواں دواں۔ سرخ گلابوں کا تحفہ لیے ہم آگے بڑھے۔

آسمان کی وسعتوں کا مظہر نیلا رنگ ہمارا منتظر تھا۔ جذبات کا پہچان کچھ کم ہوا۔ جسمانی اور ذہنی سکون کی لہریں ہلکورے لینے لگیں۔ کامیابی، قابلیت، ایمان داری اور اعتماد سے متصف یہ رنگ دنیا میں سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا رنگ ہے جبکہ گہرا نیلا رنگ تخیل کی پرواز کو کوئی ہارس پاور کی رفتار عطا کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ رنگ ہماری پروازِ تخیل کو مہمیز کرتا ہم آگے بڑھ گئے۔

اب پہنچے سبز رنگ کی سلطنت میں، مثبت احساسات بخشنے والا تازہ دم سبز رنگ پر امید اور رحم کا جذبہ عطا کرنے والا، دولت کی علامت، گنبد خضریٰ کا رنگ، ہمارے پیارے وطن کے جھنڈے کا رنگ پھر ہمارا پسندیدہ بھی ہرے کی ہریالی سے تازگی اٹھاتے پھر سے آگے بڑھے۔

اب ملاقات ہو رہی ہے نارنجی کی شوخی سے۔ جذباتیت کا رنگ۔ اس کے ساتھ ہی بزدلی، دغابازی اور جھگڑالو رنگ، غیر سنجیدگی کا حامل، لیکن بھوک کی اشتہا بڑھانے والا رنگ۔ متنوع خصوصیات پر غور کرنے لگے تو پیلے رنگ نے آواز دے ڈالی۔ خوشی کا چمک دار رنگ، لیکن غصیلا بھی ہے۔ ہُوں ں ں...... دو متضاد اوصاف ......مقام حیرت، حیرت کدہ سے باہر نکلے تو اب ایسی دنیا میں جا پہنچے جو محبت کی علامت ہے، چنچل، لطیف احساسات کا حامل، دل کش گلابی رنگ جسے ذہنی خلفشار کم کرنے کے لیے ایک موثر رنگ مانا گیا ہے۔

اب آتے ہیں جامنی کی طرف، تخلیقی اور منفرد خصوصیات کے حامل لوگوں کا پسندیدہ رنگ، پر غرور، شاہی رنگ، عزت، وقار اور شرافت کا علم بردار جامنی رنگ سے رخصت ہوئے تو زمینی رنگ کا عکاس بھورا رنگ ہماری راہ تک رہا تھا۔ کفایت شعاری کا مظہر۔ اس رنگ کے چاہنے والے وعدوں کی پابندی، ذمہ داری سمجھ کر کرتے ہیں۔ 'بہت اچھے'

پھر جذبات سے عاری، مردم بے زاری اور بے اعتباری کے رنگ سرمئی سے ملتے حقائق کی دنیا میں آ پہنچے۔

صحیح کہا کسی نے ؎

رنگ باتیں کریں اور باتوں سے خوشبو آئے

☆☆☆

مہکتی کلیاں

پیاری بہنا! کیا آپ ایک ماں ہیں اور اپنی بیٹی کی شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں اور آپ کی بیٹی شادی کے نام سے گھبرا رہی ہے؟

اور پیاری بٹیا! کیا آپ غیر شادی شدہ ہیں اور چند دنوں یا مہینوں کے بعد آپ کی شادی ہونے والی ہے؟ کیا اپنی شادی کو لے کر آپ کے دل میں خدشات، وسوسے، الجھنیں اور سوالات پیدا ہو رہے ہیں؟

بہنو! شادی ہر لڑکی کی زندگی میں جہاں ڈھیر ساری خوش گوار تبدیلیاں لے کر آتی ہے، وہیں ایک نئے بندھن میں بندھنے کے حوالے سے اسے کئی الجھنوں، سوالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سمجھدار اور تربیت یافتہ لڑکیاں تو اپنی ہر الجھن، پریشانی اور مسئلے کا شافی حل تلاش کر ہی لیتی ہیں مگر ناتجربہ کار اور غیر تربیت یافتہ لڑکیاں اپنی نادانی، بھولے پن اور قدرے لاپروائی سے اپنے لیے مسائل کھڑے کر لیتی ہیں۔

ایک بچی کو شادی سے پہلے کن چیزوں کے لیے تیار رہنا چاہیے اور کن باتوں کا نہ جاننا کنواری لڑکیوں کی نئی شادی شدہ زندگی میں زہر گھول دیتا ہے، نیز ایک نو بیاہتا دلھن کے لیے کن کن باتوں کا جاننا اشد ضروری ہے؟ اس حوالے سے آج کچھ عرض کروں گی۔

عزیز ماؤ، بہنو اور بیٹیو! یہ بات اظہر مِن الشّمس یعنی سورج سے زیادہ روشن اور روزِ گزشتہ سے زیادہ قابلِ یقین ہے کہ تربیت ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے، مگر اس تربیت کے اچھے یا برے اثرات موت تک بلکہ اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

شادی کی عمر سے پہلے ہی مائیں اگر اپنی بچیوں کو اعتماد میں لے کر زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے کے ساتھ ساتھ انھیں تمام نازک معاملات کے بارے میں وقتاً فوقتاً آگاہی اور شعور دیتی رہیں تو یہ ننھی نازک مہکتی کلیاں سب ضروری باتیں جان جائیں، مگر افسوس کہ مائیں بچیوں سے بات کرتے ہوئے کتراتی ہیں۔

سیدہ ناجیہ شعیب احمد، کراچی

ماں کی غفلت اور لاپروائی کا خمیازہ بالآخر بچی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ صبر کے گھونٹ پیتے ہوئے یا تو بچی اپنی پوری عمر گزار دیتی ہے یا طلاق کا داغ لے کر زندہ درگور ہو جاتی ہے یا پھر اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی بھی اجیرن کیے رہتی ہے۔

اکثر شادیاں برباد ہونے کی سب سے اہم وجہ زوجین کے مابین بے تکلفی کا نہ ہونا ہے۔ بسا اوقات جوڑے کے درمیان بہت تکلف اور جھجک نکاح جیسے بظاہر مضبوط رشتے میں دراڑ پیدا کر دیتی ہے۔

شادی قریب ہو تو ماؤں کو بچیوں کو بلا جھجک شوہر کے تمام حقوق بتانا سمجھانا چاہیے۔ آج کے سوشل میڈیائی دور میں ایک دوسرے کے آپس میں آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت کرنے کے لیے وقت نکالنا گو کہ مشکل لگتا ہے مگر ناممکن نہیں۔

بچیوں کو ہی نہیں بچوں کو بھی وقت اور توجہ دیجیے۔ انھیں بلا جھجک اپنی حدود میں رہ کر ہر موضوع پر رائے کا اظہار کرنے کا بھرپور موقع فراہم کیجیے۔ انھیں کسی غیر کے حوالے کر کے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔

یاد رکھیے کہ غیر غیر ہوتا ہے۔ گھر میں ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے سامنے بچیوں کو بٹھا لینا، کم سن بچوں کو نانی دادی کے گھر سردی گرمی کی چھٹیاں گزارنے کے لیے اکیلا چھوڑ دینا یہ بہت بڑی حماقت ہے۔

بات تو کڑوی ہے مگر آپ اس حقیقت سے نگاہیں نہیں چرا سکتیں کہ اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پہ بجلیاں، لہٰذا اپنی اولاد کے جائز حقوق کے لیے شیرنی بن جائیں۔ آپ کی تربیت ہر زاویے سے چھلکنی چاہیے۔ اپنی اولاد کو اپنی عقابی نگاہوں کے محور میں رکھیں، ذرا سی بھی نظر چوکنے نہ پائے کہ یہاں وہاں بھوکے ندیدے درندے گھات لگائے بیٹھے ہوئے ہیں۔

مشہور کہاوت ہے کہ کھلا سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ بس اس پر سختی سے عمل پیرا ہو جائیں۔ اپنے بچوں سے پکی دوستی گانٹھ لیں۔ ایسی پکی کہ وہ اپنی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی آپ کو بتائے بنا نہ رہ سکیں۔

شادی سے پہلے بچیوں کو کئی قسم کی چھوٹی بڑی پریشانیاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ اب ان کی رہنمائی آپ نہیں کریں گی تو کوئی دوسرا بہت برے انداز میں بتا سکھا جائے گا۔

گلے میں کوئی چیز پھنسنا

ابتدائی طبی امداد

جونہی بچے بڑا ہونا شروع ہوتے ہیں تو اردگرد کے ماحول سے ان کا تجسس بڑھتا ہے، سب سے پہلے تو وہ نئی اور غیر مانوس چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور پھر اگلے ہی لمحے وہ چیز ان کے منہ میں ہوتی ہے اور پھر کبھی سانس کی نالی میں اٹک کر سانس بند ہونے کا باعث بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر عذرا

گلا بند ہونے کی وجوہات:

گلے میں کوئی چیز پھنس جانے سے گلا بند ہو جاتا ہے اور پھیپھڑوں کو جانے والی سانس کی نالی بند ہو جاتی ہے۔ نالی جزوی یا پوری بند ہو سکتی ہے۔ سانس کی نالی کے راستے ہی ہوا پھیپھڑوں تک جاتی ہے۔ زیادہ تر گلہا بند ہونے کی وجہ مائع مشروب ہوتے ہیں، جن سے اچھو لگ جاتا ہے۔ گلا بند ہونے پر بچے کا ردعمل بہت شدید ہوتا ہے۔

ہلکا سا دم گھٹنے سے بچے کو کھانسی آئے گی یا وہ الٹی کرے گا۔ چہرہ سرخ ہو جائے گا۔

لیکن اگر آپ کے بچے کا شدید دَم گھٹ رہا ہے تو اسے سانس لینے اور بولنے میں بہت مشکل ہو گی۔ اس کے ہونٹ اور ناخن نیلے رنگ کے ہو جائیں گے۔

آپ نوٹ کریں کہ بچہ آپ کے بلانے پر جواب دے رہا ہے اور سانس لے پا رہا ہے؟ اگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے تو فوراً ایمبولینس کو کال کریں یا اگر گھر میں کوئی اور موجود ہے تو اسے کال کرنے کو کہیں۔

اگر بچہ جواب دیتا ہے تو اسے کہیں کہ کھانس کر پھنسی ہوئی شے کو باہر نکالنے کی کوشش کرے۔

اگر آپ کا بچہ سانس لے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سانس کی نالی پوری بند نہیں ہوئی ہے، اپنے بچے کو کروٹ کے بل لٹا دیں تاکہ سانس بحال رہے اور سانس کی نالی میں مزید رکاوٹ کا خطرہ نہ ہو۔ جب تک سانس درست نہ ہو جائے، آپ بچے کے پاس رہیں۔

ہیم لیچ مینوور:

ہیم لیچ مینوور کے طریقے میں بچے کی چھاتی پر ہاتھوں سے بوجھ ڈالا جاتا ہے جس سے پھنسی ہوئی چیز سانس کی نالی سے نکل جاتی ہے۔

بچہ ایک سال سے بڑا ہے تو بچے کے پیچھے گھٹنے کے بل کھڑے ہو کر پیچھے سے بازو ڈال لیں۔ اپنے بازو اس کی پسلیوں سے نیچے رکھیں اور ۴۵ درجے کے زاویے سے پیٹ کو دبائیں۔ اس عمل سے چھاتی میں رکی ہوئی ہوا باہر نکلے گی۔ ساتھ ہی پھنسی ہوئی شے باہر نکل آئے گی۔ اس عمل کو دس بار دہرائیں۔

ہیملیچ مینوور آپ اپنے بچے کو پیٹ کے بل لٹا کے بھی کر سکتے ہیں۔ اپنی ہتھیلی کو بچے کی پسلیوں کے نیچے رکھیں اور دوسرا ہاتھ پشت پر رکھ کر دباتے جائیں۔

احتیاط:

☆ چھوٹی چھوٹی اشیا اور خوراک بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔

☆ اگر آپ کا بچہ چار سال سے کم عمر کا ہے تو اسے پاپ کارن، گم اور سخت کینڈی دینے سے گریز کیجیے۔

☆ اسے نرم غذا جیسے دلیہ اور پھلوں کو مسل کر دیجیے۔

☆ بچے کو سکھائیں کہ نگلنے سے پہلے خوراک کو کس طرح چبانا ہے۔

☆ گھر میں کوئی تقریب ہو تو فوراً بعد گھر کی صفائی کریں۔ خوراک کے علاوہ ربڑ کے غبارے بھی بچوں کے حلق میں پھنس کر ان کی سانس بند ہو جانے کی بڑی وجہ بنتے ہیں۔

اہم نکات کا خلاصہ:

۱) پھنسی ہوئی چیز نکالنا (کھڑا کر کے):

اگر آپ کا بچہ ایک سال سے کم عمر کا ہے تو اسے اپنے گھٹنوں پر الٹا لٹائیں اور اپنی ہتھیلی کی پشت سے بچے کے کندھوں کے درمیان پانچ بار زور سے دبائیں۔

۲) پھنسی چیز نکالنا (لٹا کر):

اگر اب بھی بچہ سانس نہ لے رہا ہو تو بچے کو سیدھا لٹا کر اپنی دو انگلیوں سے چھاتی کے درمیان نچلے حصے کو پانچ بار تیزی سے دبائیں۔

۳) اسپتال لے جائیں:

آپ کا بچہ سانس نہیں لے رہا تو 911 کو کال کریں یا کسی سے کال کرنے کو کہیں۔

۴) ہیم لیچ مینوور:

بچہ ایک سال سے بڑا ہے تو اس کے پیچھے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر ہیم لیچ مینوور کا عمل دہرائیں۔

۵) احتیاط:

چھوٹی چھوٹی اشیا اور خوراک بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔

☆☆☆

یہ بات ٹھیک ہے کہ بہت زیادہ سختی اور بے جا روک ٹوک بھی بچوں کو باغی بنا دیتی ہے، مگر حد سے زیادہ نرمی، ڈھیل اور بے جا آزادی بھی کئی زندگیاں اجاڑ دیتی ہے، سو اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کریں۔ سہولت اور آسانی سے شفقت و مہربانی کے ساتھ بچوں کو اعتماد میں لے کر بات کیجیے۔ ان کی مرضی، رائے اور مدد ضرور کیجیے۔ کیوں کہ وہ اپنے والدین پر بھروسا کر کے اپنا گھر آنگن چھوڑنے پر آمادہ ہو رہی ہیں۔ انھیں نرمی اور ملائمت سے سمجھائیں، سکھائیں اور پھر سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک پر چھوڑ دیں۔

☆☆☆

5

بندر روڈ سے کیماڑی

کراچی سے قبل ہی کراچی نے استقبال کیا۔ سوسائٹیاں ہی سوسائٹیاں۔ بحریہ ٹاؤن کے دروازے اور مینارے بھی دیکھ لیے تاکہ کہہ سکیں کہ ہاں ملک صاحب سے بھی مل آئے۔ اچک اچک کر ملیر کے اُن گوٹھوں کو دیکھنے کی کوشش کی جن کی زمینیں اب اس نئے شہر کا حصہ بن چکیں۔ دنیا میں سب تعمیر کسی پچھلے کی تخریب سے ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس ترقی پر خوش ہونا چاہیے یا مٹتی بستیوں کا ماتم کرنا چاہیے؟

خیر ساڑھے پانچ بجے ہم کراچی میں داخل ہوئے۔ سب سوتے ہوئے مسافر یکلخت الرٹ ہو گئے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ جلد ہی ہم لیاری ایکسپریس پر چڑھ گئے۔ میاں صاحب اُس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ بچے لیاری ندی کے گندے کناروں پر ہوتے فٹ بال میچوں کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ابا جان نے گرہ لگائی۔ ''بیٹا! لیاری فٹبال کا اسی طرح گھر ہے جس طرح بارسلونا۔''

تیمیہ صبیحہ ۔ اسلام آباد

پھر باپ بیٹوں نے فٹ بال ورلڈ کو فراہم کیے جانے والے کھلاڑیوں اور لیگوں پر روشنی ڈالنا شروع کر دی۔ اپنا چونکہ یہ مذاق نہیں ہے لہٰذا بیزاری سے سنتے رہے۔ اس ایکسپریس وے نے ہمیں اگلے کئی دن بندر روڈ (شارع محمد علی جناح) سے طرح دے کے کیماڑی جا پہنچنے کا موقع فراہم کیا۔ سنا ہے کہ کچھ سو سال پہلے لیاری ندی میں بہت پانی ہوا کرتا تھا۔ اُس کے کنارے پر بیس پچیس مچھیروں کی ایک بستی بھی تھی جس کا نام ڈربو تھا۔ ساحل کے اِن باسیوں نے اپنے اردگرد بیٹھے پانی کی اک کھاڑی کو کولاچی جوکن کا نام دیا تھا۔

کولاچی وہاں مقیم بلوچ قبیلے کا نام تھا اور جوکن کا مطلب بہت بڑے گڑھے کے ہیں۔ اگر یہی کولاچی بعد میں کراچی ہو گیا تو ہم ان مچھیروں کو کراچی کے باوا آدم تسلیم کر لیتے ہیں، بعینہٖ جس طرح موجودہ دبئی کی بنیاد میں قدیم ماہی گیروں کے ٹھکانے ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے مگر کہتے ہیں کہ کروڑوں کی آبادی کا یہ شہر شروع میں نعمان بھائی کی اقامت گاہ سے دوسری طرف بہتی حب ندی اور لیاری ندی کے مابین ہی تھا۔ حب ندی جہاں بحیرۂ عرب سے ملتی ہے وہیں ایک قدیم بندرگاہ ''کھڑک بندر'' کے نام سے تھی، جہاں سے مسقط اور عمان تک تجارت ہوتی تھی۔ بندرگاہ میں حب ندی سے آنے والی مٹی بھر گئی تو اُدھر کے مکین، لیاری کے پاس ماہی گیروں کی بستی میں جا بسے۔ جیسا کہ قدیم شہروں میں ہوا کرتا تھا، بستی کی حفاظت کے لیے فصیل تعمیر کی گئی۔ سمندر کے رُخ پر واقع دروازے کو کھارادر جبکہ لیاری کی طرف والا دروازہ میٹھادر کہلایا۔ اب فصیل ہے نہ دروازے، البتہ اِن ناموں کے علاقے موجود ہیں۔

لیاری کی اس تاریخ ساز اہمیت کا ادراک ہوتے ہی ہم نے اسے گندا نالہ سمجھنا ترک کیا اور ہر بار لیاری ایکسپریس سے گزرتے ہوئے ہوئے تصور کیا کہ ہم دریائے ٹیمز کے کنارے شاداں فرحاں رواں دواں ہیں۔ آخر پچھلی صدی میں اسے بھی تو آلودگی کی وجہ سے مردہ کہا جاتا تھا۔

''کراچی میں اتنے زیادہ لوگ ہیں!''

پہلا تبصرہ آیا، اور پھر تبصروں پر تبصرے شروع ہو گئے۔

''اور اتنے زیادہ پل ہیں۔''

''بسیں بھی ہیں بہت ساری۔''

''بسوں کی چھت پر بھی لوگ بیٹھے ہیں۔''

''اور دروازوں سے بھی لٹکے ہیں!''

''اور اتنے اپارٹمنٹ، اتنی بلڈنگیں جیسے بلاکس سٹی۔''

انہی اونچے نیچے پلوں سے ہوتے ہوئے ہم بلوچستان کی حدود کے قریب واقع اپنی اقامت گاہ پر پہنچے، مگر تھا یہ بھی کراچی۔

نعمان بھائی گیٹ پر لینے آئے۔ ہمارا اندراج کروایا اور کمروں تک پہنچایا۔ جب تک ہم نہا دھو کے تازہ دم ہوئے، بچوں نے پورا میس ایکسپلور کر لیا۔

کھانے کے لیے بیٹھے تو ڈھنڈیا پڑی۔ آخر جم سے برآمد ہوئے۔ پرتکلف کھانے کے ساتھ ہری مرچ کی چٹنی کے سب نے چٹخارے لیے۔ اِس وقت علم نہ تھا کہ یہ چٹنی یہاں ہر کھانے کا جزوِ لازم ہے۔ خیر اب تو سوتے ہیں، صبح طے کریں گے کیا کرنا ہے۔

رات خوب سونے کے بعد صبح بارش کی آواز سے آنکھ کھلی۔ شاید سردی بھی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ رات ہم پنکھا چلا کے سوئے تھے، بلکہ کمرے ہی یوں تقسیم کیے گئے تھے کہ نو فین روم برائے جوڑ درد والے بزرگ، میڈیم فین برائے درمیانی عمر، تیز پنکھا برائے نوجوانان۔

بارش کی مہک بہت جاں فزا محسوس ہو رہی تھی، مگر ساتھ ہی بارش میں کراچی کی صورتحال پر سنی ہوئی خبروں کا خوف بھی لاحق ہو گیا۔ ناشتے کے بعد سب سر جوڑ کے بیٹھے کہ پانی، کیچڑ اور ٹریفک جام سے بچتے ہوئے بسم اللہ کہاں سے کی جائے؟

بارش کے سبب آؤٹ ڈور خود بخود خارج ہو گیا۔ خدا معلوم حقیقت میں بارش کتنی خطرناک تھی مگر حضرت جو ایکو ویدر (accu weather) اور گوگل پر سڑکوں کا نقشہ کھولے بیٹھے تھے، ہماری ہر تجویز آنکھیں نکال کے رد کرنے لگے:

''یار! تم کیا سمجھتی ہو، ایک کشمیر ہائی وے پر چڑھیں اور ایف سکس سے جی پندرہ تک گھوم آئیں، بس یہ کراچی ہے؟''

سفر کی ابتدا میں بگاڑنا قرینِ مصلحت نہ تھا لہٰذا ہم نے مصلحت اختیار کی ورنہ جواب تو اپنے ترکش میں بھی بہت تھے۔ بال آخر بھاوج صاحبہ کے پرزور مشورے سے سائنس میوزیم طے ہوا۔ منجھلی خالہ اپنے دو چھوٹوں سمیت قیام گاہ پر رکیں۔ ایک تو عیسیٰ کی طبیعت ناساز تھی، دوسرا سائنس میوزیم نام ہی سے بور محسوس ہو رہا تھا۔ خیر باقی سب اللہ کا نام لے کے نکلے اور بندر روڈ سے ہوتے ہوئے کولونیل کراچی میں واقع

عورت کا روپ

شادی سے پہلے مجھے جس کام سے سب سے زیادہ چڑتھی وہ برتن دھونا تھا،لیکن امی کو مجھ سے کام لینا آتا تھا۔جب برتن دھلوانے ہوتے تو بڑے بڑے برتن ایک طرف کر کے کہتیں:

''آ دوتن پلیٹاں تے دھودے۔''

عالیہ بٹ

جب میں برتن دھونے شروع کر دیتی تو ہنستے ہنستے کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے بڑے بڑے پتیلے میرے قریب کھسکاتی جاتیں،اور میں لگے ہاتھوں بے دھیانی میں وہ بھی دھوتی جاتی۔

امی کے ان طریقوں سے ان کا کام بھی ہوجاتا اور مجھے بھی محسوس نہ ہوتا کہ میں نے کوئی زیادہ کام کیا ہے۔

آج یہ باتیں سوچ رہی تھی تو خیال آیا ہم عورتوں کے ساتھ زندگی بھی تو یہی سلوک کرتی ہے۔رفتہ رفتہ ہماری زمے داریوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے لیکن محسوس ہی نہیں ہوتا کہ جن کاموں سے ہماری جان جاتی تھی وہ اب ہمارے معمول کا حصہ بن چکے ہیں۔ہم دن کو نو دس بجے تک سونے والی شہزادیاں شادی ہوتے ہی سات بجے کے الارم پر اٹھنے لگتی ہیں کہ ناشتا تیار کرنا ہے اور پھر جب بچے ہوجاتے ہیں تو آہستہ آہستہ بچوں کے ساتھ پوری پوری رات جاگ کر بھی صبح کو ہشاش بشاش پورے گھر کے کام کرنے کی عادی ہوجاتی ہیں۔

ہم ذراسی تکلیف پر واویلا مچانے والی اور بستر سنبھال لینے والی لڑکیاں زچگی کے موقع پر بائیس ہڈیاں ایک ساتھ ٹوٹنے کے برابر تکلیف برداشت کر جاتی ہیں اور بار بار کرتی ہیں۔

ہم زراسی بدبو پر ناک منہ چڑھانے والی لڑکیاں کھانا درمیان میں چھوڑ کر بچوں کی نیپی بدلنے لگ جاتی ہیں،اور پھر بغیر دل خراب ہونے کا نخرہ کیے اپنے کھانا پورا کر لیتی ہیں۔

ہم کسی کی ذراسی بات پر گھنٹوں رونے دھونے والی لڑکیاں پھر اکثر بڑی بڑی باتیں اور بڑے بڑے طعنے ڈھیٹ بن کر برداشت کر جاتی ہیں۔

ہم وقت کے ساتھ ساتھ ایسے بے شمار کام کرنے لگتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

جی ہاں!اللہ نے نظام ہی ایسا بنایا ہے۔پہلے شادی،پھر بچے،پھر بچوں کی تعداد کا اور اسی تناسب سے کاموں کا بڑھتے جانا ہم سب کچھ قبول کرتی جاتی ہیں۔یعنی کلیوں پھولوں جیسی نازک لڑکیاں آہستہ آہستہ بیوی اور ماں کی صورت پھل دار گھنا درخت بن جاتی ہیں،جو سایہ بھی دیتا ہے اور پھل بھی اور اکثر پتھر بھی برداشت کر لیتا ہے۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ وجودِزن سے کائنات میں رنگ!

واقعی عورت کا وجود نہ ہوتا تو نہ صرف کائنات کے سبھی رنگ بکھر جاتے بلکہ یہ دنیا ہی نہ ہوتی۔یہ عورت ہی ہے جس کے وجود سے دوسرے وجود جنم لیتے،پروان چڑھتے ہیں۔کبھی اس کے اپنے جیسے وجود اور کبھی وہ وجود جو عورت کے وجود سے ہی پیدا ہو کر عورت کے وجود کی اہمیت کو جھٹلانے لگتے ہیں۔

اللہ میری ماؤں بہنوں کو سلامت رکھے۔اپنی زمے داریاں احسن طریقے سے نبھانے کے قابل بنائے۔آمین یارب العالمین!

☆☆☆

میگنیفیٹی سائنس جا پہنچے۔

ریلوے کا علاقہ لگتا تھا اور کولونیل ریلوے کے ایک جیسے اسٹرکچر کے آثار نمایاں تھے۔ویسا ہی تاثر جو کیپ ٹاؤن،کوالالمپور،رنگون،لاہور جیسے شہروں میں محسوس ہوتا ہے،البتہ جس تجاوزات سے بھرپور سڑک نے ہمیں وہاں پہنچایا،ہمیں شبہ تھا کہ کوئی قابلِ دید مقام بھی ہوگا یا مشورہ دینے والوں پر حجت ہی تمام ہوگی!یوں گویا ریلوے اسٹیشن کے پیچھے پنڈی میں مریڑ یا لاہور میں مغل پورہ کا علاقہ ہو اور اس میں اسکریپ کی تھوک دکانیں۔

لوکیشن والی خالہ نے ایک بند گلی میں قدیم سے دروازے پر پہنچایا تو ڈھارس بندھی کہ سائنس نہ سہی تاریخ ہی سے واقفیت ہوجائے گی۔نوآبادیاتی اسٹرکچر تو ویسے بھی میری کمزوری ہے۔اُدھر ان سب مشورہ کنندگان کی خوش فہمی پر افسوس ہوا جو ہمیں جدی پشتی رئیس سمجھتے تھے اور کسی نے بھی داخلہ ٹکٹ کی مالیت بتانا گوارا نہ کیا تھا۔خیر اللہ کے فضل اور حضرات کی وسیع القلبی (وسعتِ بٹوہ) کے طفیل اندر پہنچے۔اُن کی گنتی اور ٹکٹ لینے کے دورانیے میں ہم نے دروازے پر لگے کتبے پڑھ ڈالے۔ایک گونہ اطمینان ہوا۔یہ کراچی کا قدیمی ٹرام اسٹیشن تھا جسے داؤد گروپ کی مہربانی سے نیا قالب پہنایا گیا ہے۔اِن کتبوں پر وہ سب مراحل بھی درج تھے جو ایک قدیم عمارت کی تاریخی طرزِ تعمیر کو برقرار رکھتے ہوئے ازِسرِ نو تزئین کاری میں پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔لیجیے آرٹ، آرکیٹیکچر اور تاریخ کا پہلا سبق دروازے ہی پر ہوگیا۔

اب اندر داخل ہوئے۔واہ! سامنے ایک جدید ساختہ بلند عمارت کھڑی تھی۔ اردگرد بوٹینیکل گارڈن سجا تھا۔سامنے آواز کی لہروں اور ٹیلی فون وائرلیس کے نظام پر مبنی آلات تھے،گویا بچوں کا کھیل تھا۔ایک اِدھر بولتا دوسرا دور کونے میں سنتا۔بڑی مشکل سے اندر جانے پر آمادہ کیا۔(جاری ہے)

بزمِ خواتین

✿ سرورق پھولوں سے مزین تھا۔ 'آئینہ گفتار' میں مدیر چچا آپ نے بہت اچھی نصیحت کی، ان شاء اللہ ضرور عمل کریں گے، جزاک اللہ خیراً۔ قرأت گلستان کی کہانی 'معصوم کو بلاؤ' اچھی تھی۔ 'بچپن کا اثر' پڑھ کر دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ بزم خواتین میں اپنا خط نہ پا کر میں بہت زیادہ افسردہ ہوگئی۔ صرف افسردہ ہی نہیں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بھی جاری ہوگیا۔ اوپر سے بھائیوں کی باتیں بھی زخموں پر نمک چھڑک دیتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کا لفافہ تو مدیر پڑھے بغیر ہی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟

(بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

> ج: آپ خود ہی بتائیں کہ یہ سچ کیسے ہوسکتا ہے؟

✿ خواتین کا اسلام کا الف نمبر پڑھا۔ سچی بات ہے کہ اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں جو اُس کا حق ادا ہو سکے۔ دل سے اتنی دعا نکلی یہ رسالہ پڑھ کر کہ بیان سے باہر ہے۔ ہر تحریر پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں، البتہ ایک بات یہ عرض کرنی تھی کہ صفحہ 114 پر الف نمبر 1 کے قرآن مجید کی دلچسپ معلومات میں رکوع 540 لکھے ہیں جو کہ 558 ہیں معلوم نہیں کہاں سے یہ غلطی مسلسل چل رہی ہے۔ آپ اس کی تصحیح کیجیے گا۔ میں نے خود ساری سورتوں کے رکوعات کو گنتی کر کے 558 تعداد گنی جو کہ رسالے میں 540 لکھی گئی ہے۔

(بنت انوار۔ گلستانِ جوہر، کراچی)

> ج: آپ کی بات درست ہے۔ الف نمبر میں تعداد غلط شائع ہوئی، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ دراصل بھیجنے والے عالم حافظ تھے تو ہم نے چیک نہیں کیا۔

✿ الف نمبر کی ہر تحریر بہت اچھی تھی۔ مگر 'اجنبی' تحریر پڑھتی گئی اور روتی گئی۔ محترمہ سلمیٰ یاسمین نجمی صاحبہ کی تمام تحریروں پر بھاری یہ تحریر ہے۔ الف نمبر پر تاثرات ہم پہلے پڑھ چکے تھے مگر رسالہ بعد میں فون کر کے منگوایا تھا لہٰذا اس تحریر کو نہایت سنبھال کر رکھا تھا اور جمعے کے دن درود شریف پڑھ کر تحریر پڑھنا شروع اور بس بالکل کیفیات بدل گئیں۔ مدرسے میں سہیلی کو بھی پڑھ کر سنائی وہ بھی اپنے آنسو نہ روک سکی۔ باقی تمام شمارہ بھی بہت خوب تھا۔ اس دفعہ کے شمارے ۱۰۱۴ میں تحریر 'مغربی ماحول تمھارے بچوں اور نواسوں پر رحم نہیں کرے گا' پڑھ کر دل پریشان ہوگیا کیونکہ ہم نے بھی کچھ ماہ بعد مستقل امریکا منتقل ہونا ہے، دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک اپنا رحم فرمائے، آمین! 'ایک خط اپنی جان سے پیاری گڑیا کے نام' پڑھ کر دل سے دعا نکلی کہ اللہ پاک نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین! 'یادِ ماضی' میں عمارہ فہیم نے اچھا درس دیا۔ باقی تمام شمارہ بھی بہترین تھا۔ (بنت رفیع الدین۔ ایبٹ آباد)

> ج: دل سے دعا ہے کہ آپ سمیت تمام مسلمان بھائی بہن اور ان کی نسلوں کی جو کسی بھی مجبوری میں وہاں رہ رہے ہیں، کے ایمان کی حفاظت کرے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ وہاں دین پر بھرپور طریقے سے عمل کے ساتھ ساتھ مستقل طور پر دین کی محنت میں لگا جائے، تب ان شاء اللہ بچت رہے گی اور وہاں کے غیر مسلموں کی آخرت بھی سنور جائے گی۔

✿ شمارہ ۱۰۱۱ کا سرورق بہت پسند آیا۔ 'آئینہ گفتار' میں سوگ منانے کی وجہ پڑھ کر حقیقت میں دل دکھ سے بھر گیا۔ 'متاعِ بے بہا' بہت اچھی تحریر تھی۔ خالہ عامرہ احسان کی تحریریں پڑھ کر ایمان تازہ ہوجاتا ہے۔ 'یادیں ہم سفر میری' دکھی تحریر تھی۔ انھیں ایصال ثواب بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں۔ قانتہ رابعہ کی تحریر 'کیوں جی؟' بہت زبردست تحریر تھی۔ جب ہم تحریر سے سبق حاصل کر کے اس پر عمل کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ تحریر کا حق ادا ہو گیا۔ میرا دار العلوم کبیر والا میں چکر لگا تو باجی منیبہ سے ملاقات ہوئی جو کہ ان رسالوں کی قاریہ بھی ہیں اور کبھی کبھار لکھتی بھی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ خواتین کا اسلام میں حفظ کے بارے میں تحریر پڑھی تھی تو میرے اندر بھی شوق پیدا ہوا اور اب وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ ماشاء اللہ حفظ بھی کر رہی ہیں۔ تب مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اور بھی نجانے کتنے لوگوں کو ان شماروں سے فائدہ ہوتا ہوگا۔ میری باجی منیبہ اور باجی اقرأ عطاء البصیر صاحبہ سے درخواست ہے کہ وہ بزمِ خواتین میں ضرور شرکت کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان شماروں کو مزید ترقی دے اور بنانے والوں سے راضی ہو جائے۔ آمین!

(بنت مولوی شبیر احمد۔ وہاڑی)

> ج: آمین ثم آمین۔ دل خوشی سے بھر گیا یہ بات پڑھ کر۔ اگر قاریات بہنیں جنھیں کسی بھی تحریر سے فائدہ ہوتا ہے، وہ اسے بتانے میں کنجوسی نہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔ لکھنے والی بہن کو اور ہمیں خوش کرنے کا ثواب بھی مل جائے گا اور حوصلہ افزائی بھی ہو جاتی ہے۔

✿ کہا گیا پھول بنائے جائیں اپنی استطاعت کے مطابق لیکن ہر رنگ جدا ہو، ہر بوٹا ہر پتا نمایاں ہو، کانٹے بھی اتنی باریک بینی سے سجائے جائیں کہ پیغام سمجھ میں آجائے، کوتاہی کا ازالہ ہوجائے اور دل آزاری بھی نہ ہو۔ اللہ کا نام لے کر کمر کس لی، قلم پکڑا تو منے نے ہانک لگائی بیت الخلا جانا ہے، فرصت کے کچھ لمحے ملے تو صاحب کا فون آیا آج پائے کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ ادھورے پھول کو مکمل کرنا چاہا تو نند بہن نے گھر کو رونق بخشی، کبھی ساس امی کو ایمرجنسی میں لے جانا پڑا، کبھی الماریوں کی سیٹنگ کرتے تو کبھی واشنگ مشین چلاتے اور تو اور بچوں کو دل جمعی سے پڑھاتے ہوئے یہ خیال بار بار ساتھ رہا کہ اہم کام کرنا ہے۔ دعاؤں کے ذریعے وقت میں برکت مانگی، یوں میری تمام مصنفات نے اللہ کے کرم سے اپنی تحریروں کا جادو جگایا۔ ہر ایک نے اپنے حساب سے بہترین پھول سپرد ڈاک کیے۔ اگلا مرحلا اس سے دشوار تھا ہر تحریر کو پڑھنا نوک پلک سنوارنا پھر تمام پھولوں اکٹھا جوڑ کر گلدستہ بنایا۔ اسے الف نمبر کا نام دیا اور یہ خوشبو کی طرح نہ جانے کتنے گھروں تک پہنچ گیا۔ میری دہلیز پر اس نے قدم رکھا اور اپنی مہک سے سب گھر والوں کو مسحور کر دیا۔ شروع میں تو ہنڈیا پکاتے ہوئے اسے پڑھا، بیچ میں بار بار کام گھیرتے رہے، مگر ایک دن میں پڑھ ہی ڈالا فرصت ملی تو بہت یکسوئی کے ساتھ دوبار پڑھا پھر مزید تحفے ننھے ننھے سے الف نمبر ملتے گئے۔ مجھے تو سارا ہی الف نمبر بہترین بلکہ بہت بہترین لگا۔ یہاں پنڈی میں مشہور کالج ہے جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہاں تو اسٹوڈنٹ کی کریم ہے میرا بھی یہی خیال ہے کریم اللہ کے لیے لکھا گیا ہر فقرہ ہر نقطہ انمول ہے۔ میں کئی بار سوچ میں ڈوب جاتی ہوں یہ لکھنے والے نہ جانے کہاں ہیں؟ کتنے فاصلوں پر ہیں مگر ان کی تحریروں سے ہی ان کی خوشی غم کا پتا چل جاتا ہے۔ ان کی خوشیوں سے دل کو خوشی ملتی ہے، ان کے غم اپنے غم لگتے ہیں۔ مریم! اتنے برس ہو گئے اپنے خالق سے جا ملیں۔ وہ اچانک رخصت ہوئیں مگر ان کی یاد آج تک پیچھا کرتی ہے۔ اللہ کی محبت بہت بہت پاکیزہ ہے جس کی وجہ سے انجانے لوگ بہت بہت قریب ہوجاتے ہیں۔ جاتے جاتے میں آمنہ بیٹی کو معلمہ اور اپنا آشیانہ ملنے پر بہت بہت مبارک باد دیتی ہوں۔ بیٹا! تم کو بہن بھائی کی کمی محسوس ہوتی ہے، حمنہ رملہ محمد کے تھوڑا بڑے ہونے کی دیر ہے ان بچوں نے ہر رشتے سے اپنی اماں کو مالا مال کر دینا ہے ان شاء اللہ!

(ام عکراش۔ راولپنڈی)

> ج: یہ جو محبت ہے یہ خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہے اور اس محبت پر بڑی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں۔ اس رسالے کی قاریات بہنیں بہت خوش نصیب ہیں کہ آپس میں اللہ تعالیٰ رب العزت کے لیے محبت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین!

✿ آئینہ گفتار سے پتا چلا کہ باجی جان کا انٹرویو ایک کتابچے کی صورت میں شائع

ہو چکا ہے۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ 'سکرات الموت' پانچ بھائیوں کا واقعہ ہم نے سنا تو تھا، مگر آپی خولہ نے جس انداز سے وضاحت کی، وہ ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑ گئی۔ 'سہارا' بہت ہی اچھا ناول رہا۔ اس کے ختم ہوتے ہی ہم نے اسے جلد کروالیا ہے کیوں کہ اکٹھے پڑھنے میں جو مزہ ہے۔ وہ الگ الگ پڑھنے میں نہیں۔ 'شور' کا اختتام بہت اچھا لگا۔ بچے تو انسان کو زندہ رہنے کا گر سکھاتے رہتے ہیں، مگر کہانی لکھنے والی نے اپنا نام کیوں نہ لکھا؟ چچا جان باجی عشرت جہاں کافی عرصے سے کیوں نہیں لکھ رہیں؟ الف نمبر کے سبھی تاثرات کے ساتھ ساتھ ہمیں راؤ ظفر کا تبصرہ اچھا لگا۔ (نام نہ پتا)

ج: محترمہ عشرت جہاں لکھ رہی ہیں۔ اسی شمارے میں ان کی تحریر ملاحظہ کیجیے۔ جیسے آپ نے اس خط کے ساتھ اپنا نام نہیں لکھا، ویسے ہی اس کہانی کی مصنفہ بھی بھول گئی تھیں۔ اس کہانی کی مصنفہ کراچی سے محترمہ فلزا وسیم ہیں۔ سب بہنیں یاد رکھیں کہ لفافے میں بھیجی گئی ہر تحریر پر اپنا نام ضرور لکھیں۔ کسی ایک تحریر پر نام لکھنے کو کافی نہ سمجھیں۔ کیوں کہ لفافہ کھلتے ہی تمام تحریریں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔

❁ چچا جان! آپ کو الف نمبر خواتین کا اسلام کی بہت بہت مبارک ہو۔ جب ہم مدرسے میں زیر تعلیم تھے اس وقت یہ ایک صفحے کی صورت آتا تھا، پھر شادی کے بعد اللہ تعالیٰ سلامت رکھے میرے سرتاج اور ہمارے گھر کے بادشاہ سلامت کو کہ انھوں نے ابھی تک خواتین کا اسلام کے ساتھ ہمارا رشتہ اور تعلق قائم رکھا ہے۔ جب الف نمبر دیکھا تو ہمارا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی سالنامے آتے رہے وہ بھی کچھ کم نہ تھے لیکن اس نے تو اپنے بہترین مواد پر ریکارڈ توڑ دیا۔ چچا جان! میں نے آپ سے چچا کا رشتہ بنایا ہے، اگر برا لگے تو ضرور آگاہ کیجیے گا۔ میں نے تو اس لیے لکھ دیا کہ مجھے چچا کا لفظ بہت پسند ہے۔ میرے چچا بھی کوئی نہیں ہیں۔ (اہلیہ مولانا سید عمران۔ قائد آباد، کراچی)

ج: لیجیے ہم کیوں ناراض ہونے لگے، آپ ہی نہیں مولانا سید عمران صاحب بھی ہمیں چچا کہہ دیں، ہم ذرا برا نہ منائیں گے کہ یہ عمر کا کمپلیکس الحمدللہ ہمیں نہیں ہیں، ہم تو کہتے ہیں کہ کوئی قاری بہن ہمیں چاہے تو دادا بھی کہہ سکتی ہے۔

❁ شمارہ ۱۰۱۴ کا مطالعہ کیا 'ایک خط اپنی جان سے پیاری گڑیا کے نام' عنوان پڑھ کر یوں لگا کہ ماں اپنی بیٹی کو پیاری نصیحتیں کر رہی ہو گی مگر جب تحریر پڑھی تو آنکھوں کے سامنے کئی ایسے لوگوں کا غم آ گیا جن کے بچے اس دنیا میں چند منٹ سے زیادہ نہ رہ سکے۔ اس تحریر کو پڑھ کر بے اختیار رو پڑی۔ ایک ماں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ اللہ پاک ہر ماں کے پھول کو عافیت سے سلامت رکھے آمین۔ محترمہ ام محمد سلمان بہت اچھی قلم کار ہیں۔ سوکن بہت اچھی اور بہت کچھ سمجھاتی تحریر تھی۔ الف نمبر پر سب کے تاثرات پڑھنے والوں کو بہت پھیکے پھیکے لگے، وجہ صاف ظاہر ہے کہ مدیر صاحب کے جوابات کے بغیر ہم سے خط ہضم نہیں ہوتا بلکہ شاید کسی سے بھی نہیں؟ کیوں بھئی بہنو؟ صحیح کہا نا؟ شمارہ ۱۰۱۵ میں 'معصوم کو بلا لاؤ' عنوان کرارا ہے۔ تحریر سنجیدہ اور مزاح دونوں عنصر لیے ہوئے ہے۔ خواتین کی ذمے داری والا مضمون خود کو پڑھوا رہا ہے۔ انداز دلچسپ ہے۔ محترمہ زوجہ عبدالوحید شہزاد کی تحریر 'بچپن کا اثر' نے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ آج امت مسلمہ کو سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ 'سہارا' ناول کا اختتام پڑھ کر دل میں ٹھنڈک محسوس ہوئی، ہاں بھئی ماجد بندے کے آنے کی ہمیں بھی بہت خوشی ہوئی۔ 'چمن خیال' کے تو کیا ہی کہنے! بزم خواتین بہت ہی اچھا لگتا ہے، خصوصاً ہر خط کا جواب موتیوں کی طرح لگتا ہے!
(بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: ''جوابات'' کی اتنی تعریف پڑھ کر ہم شرمندہ ہوتے ہوئے سوچنے لگے کہ اب جواب دیں تو کیا دیں؟

❁ شمارہ ۱۰۱۴ میں اپنا اور اپنی والدہ محترمہ ام سعد زبیر کا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بچوں کا اسلام میں خط لکھنا آسان اور خواتین کا اسلام میں لکھنا مشکل لگتا تھا لیکن الحمدللہ بفضلہٖ تعالیٰ اور آپ کی کرم نوازی سے ہماری بزم خواتین میں بھی آمد ہو گئی۔ بہت شکریہ آپ کا! ویسے چچا میں نے تقریباً چھ یا پانچ ماہ پہلے 'ہماری اماں جی' نام کی ایک تحریر لکھ کر بھیجی تھی، کیا وہ آپ تک پہنچی؟ کیا وہ قابلِ اشاعت ہے یا نہیں؟ اگر شائع ہو جاتی تو بہت خوشی ہوتی۔ ویسے ایک تحریر کو شائع ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ اس کے علاوہ روبینہ عبدالقادر کا اپنی گڑیا کے نام خط پڑھ کر بہت رونا آیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر عطا فرمائے۔ 'سہارا' ناول بہت زبردست جا رہا ہے۔ ۱۰۱۵ کا سرورق آنکھوں کو بہت بھایا۔ قرأت گلستان نے کیا خوب لکھا۔ 'بچپن کا اثر' بھی شاندار تھی۔ بزم خواتین میں تمام خطوط کے جواب دیے گئے، سب مزے کے تھے۔ (یسریٰ زبیر۔ چشتیاں، ضلع بہاول نگر)

ج: ہمیں یاد تو نہیں کہ ایسی کوئی تحریر ملی تھی۔ دیکھتے ہیں۔ آپ اگلا خط بھیجیں تو اس تحریر کی نقل بھی بھیج دیجیے گا۔ ویسے تین سے چار ماہ تو لگتے ہی ہیں۔

❁ شمارہ 1015,1014,1013 پڑھے۔ تینوں کے سرورق بہت خوب صورت تھے۔ 'خواتین کے دینی مسائل' سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ ''ہمارا میڈیا اور شنو کے ڈمپل'' آئینہ گفتار بہت پسند آیا۔ ویسے یہ بات سوچنے کی ہے ناں کہ مرد حضرات کاروبار میں مصروف ہونے کے باوجود خواتین کی عادات واحساسات کو خوب اچھے طریقے سے جانتے ہیں۔ سارے جہاں کا درد معاشرے کی خامیوں میں سے ایک نمایاں خامی کی نشاندہی تھی۔ ایک دفعہ میں نے بھی دو معصوم چھوٹی سی بچیوں سے پوچھا تم بھیک کیوں مانگتی ہو۔ ان کا دکھ بھرا جواب باجی ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ ان کے درد کو دل کی گہرائی سے محسوس کیا۔ اپنا ایک عدد بھائی ان کو دینے کو دل کیا لیکن امی نہ مانیں۔ 'آشیانہ ریاضی' دلچسپ تھی اور اختتام اس کا حیران کن تھا۔ شمارہ ۱۰۱۴ میں 'سوکن' کہانی نمبر ون تھی۔ شمارہ ۱۰۱۵ میں 'معصوم کو بلا لاؤ' اور 'بچپن کا اثر' دونوں ہی پسند آئیں۔ کھانا پکانے کی چند احتیاطیں اچھی لگی۔ مجھے ہی نہیں بلکہ ہر انسان کو طریقہ سلیقہ پسند آتا ہے۔ مجھے خواتین کا اسلام بہت پسند ہے لیکن میرے گھر والے پڑھنے کا شوق نہیں رکھتے۔ مدیر بھائی! میری خواہش ہے کہ میں ہر ہفتے خواتین کا اسلام تازہ پڑھوں اور تبصرہ لکھوں، لیکن کیا کروں، ڈاکیا کبھی مہینے بعد تین رسالے تو کبھی دو پکڑا دیتا ہے۔ ہم نے سال کے اکٹھے بھی لگوائیں تھے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ (عمارہ مشتاق۔ پھول نگر)

ج: بھائی کو دے دینے والی بات نے بے ساختہ ہنسا دیا۔ گھر والوں کے اپنے مشغلے ہوں گے، آپ ہی انھیں کچھ سنا دیا کریں۔ باقی اکٹھے رسالے کوشش کے باوجود نہیں مل پاتے تو اسی پر صبر کر لیں۔ البتہ رسالے مہینے کے بعد سہی ملنے پورے چاہییں۔
اے پھول نگر کے پھول سے ڈاکیا بھائیو! ذرا رحم کرو ہماری بچیو پر!

❁ جب بھی رسالہ آتا ہے، سب سے پہلے بزم خواتین کو دیکھتے ہیں۔ کچھ ہمارے جیسے آپ کی باتوں کے منتظر ہوتے ہیں جو آپ 'آئینہ گفتار' میں کرتے ہیں۔ آج کل بزم خواتین میں اپنے خطوط کی بہت زیادہ کمی محسوس کر رہی تھی، سوچا کہ جو جو کمی محسوس کر رہا ہے میرے خطوط کی تو اس کمی کو دور کر دوں۔ میری خالہ زاد بہن حبیبہ، میری خالہ جان عابدہ، میرے خالو اختر، بھائی زید، بلال سب بہت شوق سے پڑھتے ہیں دونوں رسالے۔ زید کو تو لکھنے کا بھی شوق ہے۔ مجھ سے طریقہ بھی پوچھا تھا۔ چھوٹی بہنیں یمنیٰ، حمیرا اور خالہ زاد چھوٹی بہنا عتیقہ بھی رسالے کو شوق سے پڑھتی ہیں لیکن میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ سب سے پہلے میں پڑھوں اور تقریباً ۹۹ فی صد کامیاب بھی ہو جاتی ہوں اور ایک فی صد کبھی کبھی ترس کھا کر حمیرا کو پڑھنے دے دیتی ہوں۔ اسے بہت شوق ہے میری طرح۔ (حمنا شفیق۔ خان پور، بگا شیر)

ج: آپ کے ترس کھانے کے کیا کہنے۔

☆☆☆

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ اسلام آباد
کے شانہ بشانہ
متاثرین سیلاب بحالی مہم
کے لیے تعاون کیجیے

PAK AID WELFARE TRUST
TOGETHER WE CAN MAKE A DIFFERENCE
پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ اسلام آباد

سیلاب اور سردی کی لہر سے متاثرہ افراد کے لیے
گرم ملبوسات کے انتظام میں حصہ لیجیے

پاک ایڈ آج کل رواں سال آنے والے سیلاب متاثرین اور ملک کے بالائی علاقوں خاص طور پر سابقہ فاٹا کے علاقوں میں آنے والی شدید سردی کی لہر سے متاثرہ افراد کے لیے گرم ملبوسات فراہم کر رہا ہے۔ پاک ایڈ حقیقی مستحقین تک رسائی حاصل کر کے ان کے کوائف جمع کرتا ہے اور پھر اسی کے مطابق امداد فراہم کرتا ہے۔ سیلاب اور سردی سے متاثرہ افراد کے لیے گرم ملبوسات ان کی بنیادی ضرورت ہے اس لیے ٹرسٹ اپنی امدادی ٹیم کے نیٹ ورک کے ذریعے ان متاثرین کو خوارک و رہائش کے ساتھ ساتھ خاص طور پر گرم ملبوسات بھی فراہم کر رہا ہے۔

کراچی دفتر سے تقسیم کے لیے گرم ملبوسات روانہ کیے جا رہے ہیں۔
ماہ دسمبر 2022 میں چاروں صوبوں کے 16 مقامات پر 25 ہزار مستحقین کو گرم ملبوسات فراہم کیے گئے۔

گرم ملبوسات پیکیج کی کم از کم لاگت

کمبل یا رضائی (8عدر x2000) ________ 16000 روپے

گرم کپڑے مع جرسی یا جیکٹ (5 بالغ افراد) __ 20,000 روپے

گرم کپڑے مع جرسی یا جیکٹ (3 نابالغ بچے) __ 9000 روپے

پیکیج کی کل لاگت 45000 روپے

A/C Title: **PAK AID WELFARE TRUST**
A/C No.: 3048301900220720
Bank: **FAYSAL BANK** faysalbank IBAN: **PK28 FAYS 3048 3019 0022 0720**

مخیر حضرات نیکی کے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں

ہیڈ آفس: آفس نمبر 4 سیکنڈ فلور، MB سٹی مال پلازہ 8-I مرکز اسلام آباد	0300 050 9840
کراچی آفس: گراؤنڈ فلور پلاٹ 1/6-Q نزد نرسری برج P.E.C.H سوسائٹی کراچی	0300 050 9833
کراچی آفس: ثناء ہیون 1/45 میزانائن فلور، مین چورنگی محمد علی سوسائٹی کراچی	0300 050 9836
لاہور آفس: UG-64 عیدن ٹاور، مین بلیوارڈ، گلبرگ، لاہور	0300 050 9838
راولپنڈی آفس: آفس نمبر 210A سیکنڈ فلور، پونچھ ہاوس، آدمجی روڈ، صدر راولپنڈی	0300 050 9837

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ کو عطیات دیں

ٹول فری نمبر : 0800 72980 | www.pakaid.org.pk